جنگ جاری ہے

احمد صغیر

یہ کتاب اردو اکادمی، دہلی کے مالی تعاون
سے شائع کی گئی ہے

جنگ جاری ہے

(ناول)

احمد صغیر

مکتبہ استعارہ

۲۴۸، غفار اپارٹمنٹس، غفار منزل ایکسٹینشن
استعارہ لین، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵

"JUNG JAARI HAI"
(Novel)
by : Ahmad Sagheer

نام کتاب : جنگ جاری ہے (ناول)
مصنف : احمد صغیر
پتہ : ترسیل پبلی کیشنز، F15/9، ٹاپ فلور
جوگا بائی ایکسٹینشن، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۲۵
سال اشاعت : ۲۰۰۲ء
تعداد : ۳۰۰
کمپوزنگ : ذہین کمپیوٹر، ابوالفضل انکلیو، نئی دہلی۔ ۲۵
طابع : پرنٹ سینٹر، دریا گنج، نئی دہلی۔ ۲
سرورق : ایرانی آرٹ
زیر اہتمام: استعارہ، ۲۴۸، غفار اپارٹمنٹس، غفار منزل ایکسٹینشن
استعارہ لین، جامعہ نگر، نئی دہلی۔ ۱۱۰۰۲۵
ٹیلی فون: ۲۳۱۸۱۲۶
قیمت : Rs.100.00

تقسیم کار:

- ماڈرن پبلشنگ ہاؤس، گولا مارکیٹ دریا گنج، نئی دہلی
- مکتبہ جامعہ لمٹیڈ، اردو بازار، جامع مسجد، دہلی۔ ۶
- ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، گلی وکیل، کوچہ پنڈت، لال کنواں، دہلی۔ ۶
- الکتاب، یتیم خانہ کمپلیکس، ارریا۔ ۸۵۴۳۱۱
- ہندی بک سینٹر، آصف علی روڈ، نئی دہلی۔ ۲
- بک امپوریم، سبزی باغ پٹنہ (بہار)
- ترسیل پبلی کیشنز، مٹی مسجد، گیوال بیگھہ، گیا۔ ۸۲۳۰۰۱

اپنی ماں

ساجدہ خاتون

کے نام

یاروں کو ہر طرح کا تحفظ عزیز تھا
میں نے چنی وہ راہ جو مردوں کی راہ تھی

(حسن نعیم)

تعارف

نام : محمد صغیر
قلمی نام : احمد صغیر
والد کا نام : محمد حنیف (مرحوم)
پیدائش : ۲۱ر نومبر ۱۹۶۳ء
مولد : محلہ گیوال بیگھہ، گیا (بہار)
تعلیم : پی۔ ایچ۔ ڈی (اردو)
پیشہ : فری لانس اسکرپٹ رائٹنگ

دیگر کتابیں :

- ◆ نئی کہانی نیا مزاج (انتخاب اور تجزیہ) 1989
- ◆ چھ دسمبر (بابری مسجد پر لکھی گئی نظموں کا انتخاب) 1993
- ◆ منڈیر پر بیٹھا پرندہ (افسانوی مجموعہ) 1995
- ◆ انا کو آنے دو (افسانوی مجموعہ) 2001
- ◆ چنگاریوں کے درمیان (غزلیں — ہندی) 2002
- ◆ اردو افسانوں میں احتجاج (تحقیقی مقالہ) (زیر طبع)

تراجم :

- ◆ بے شناخت (اردو سے ہندی) ناصر بغدادی
- ◆ تلاش بہاراں* (اردو سے ہندی) کشوری لال نسیم
- ◆ پرتی نیدھی شاعری* (اردو سے ہندی) اکبر الہ آبادی
- ◆ پرتی نیدھی شاعری* (اردو سے ہندی) شکیب جلالی
- ◆ پرتی نیدھی شاعری* (اردو سے ہندی) خواجہ میر درد

[*یہ چاروں کتابیں رادھا کرشن پرکاشن نئی دلی سے شائع ہو چکی ہیں]

۶ر دسمبر ۱۹۹۲

ہندوستان کا وہ سیاہ دن جس نے جمہوری ہندوستان کو کلنکت کر دیا تھا۔ قدیم بابری مسجد شہید کر دی گئی تھی۔ جس کے نتیجے میں پورے ملک میں جگہ جگہ فساد پھوٹ پڑا تھا۔ چاروں طرف دہشت کا ماحول تھا، شہر سے لے کر گاؤں تک اس کی آگ پھیل چکی تھی۔ ہر خاص و عام جس میں جھلس کر رہ گیا تھا اور مسلمانوں پر تو ظلم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے تھے۔

عرفان نے گھر سے باہر نکل کر گلی کی طرف دیکھا جو سنسان اور تاریک تھی۔ گلی کو عبور کر کے وہ اکھاڑہ میدان کی طرف گیا۔ دوپہر بھر یہاں کتنی چہل پہل رہتی تھی۔ چھوٹے چھوٹے بچوں کی گلی کوچے میں چیخ پکار، ہاہا، ہی ہی —— اور دھاچوکڑی سے سارا میدان گلزار بنا رہتا تھا۔ لیکن ریڈیو پر خبر سنتے ہی خاموشی کی چادر بچھ گئی۔ ماحول سہا سہا ہو گیا۔ بچے اپنے اپنے گھروں میں دبک گئے اور گاؤں کے لوگوں کے چہروں پر فکر کی لمبی لمبی لکیریں ابھر آئیں۔ آہستہ آہستہ اندھیرے نے گاؤں کو اپنے حصار میں لے لیا۔ چاروں طرف اندھیرا پھیل گیا اور گاؤں پر مردنی سی چھا گئی۔ عرفان کے دل میں ایک آگ سی سلگ رہی تھی۔ وہ بی۔ اے کا

فائنل امتحان دے کر گاؤں لوٹا تھا۔ کالج میں وہ چوں کہ اسٹوڈینٹس تحریک سے ہمیشہ جڑا رہا تھا اس لئے کسی بھی مسئلے کو وہ بڑی سنجیدگی سے لیتا تھا۔

آسمان سرخ ہو چکا تھا۔ ہوا میں دسمبر کی خنکی تھی مگر عرفان کی پیشانی پر پسینے کے قطرے ابھر آئے تھے اور جسم سلگ رہا تھا۔ اس کا دماغ بار بار بابری مسجد کو اپنے احاطے میں لیتا اور تصور میں اس کے مسمار ہونے کا نقشہ کھینچ جاتا۔ وہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ احتجاج! ـــــ یکا یک وہ کھڑا ہوا اور اپنے دوست وقار کے گھر جا پہنچا ـــــ

''عرفان تم، کیا بات ہے۔ بہت پریشان لگ رہے ہو؟'' ـــــ وقار نے اس کے چہرے کو پڑھا۔ عرفان اندر آ گیا اور سامنے کے تخت پر بیٹھ گیا۔

''وقار! تمہیں نہیں لگتا کہ بابری مسجد ہماری شناخت تھی جسے شہید کر کے ہماری شناخت پر حملہ کیا گیا ہے'' ـــــ عرفان کی زبان نے وہی لفظ ادا کئے جو بہت دیر سے وہ سوچ رہا تھا۔

''عرفان تمہارا سوچنا مناسب ہے لیکن جو کچھ بھی ہوا اس کے ذمہ دار سیاسی لوگ ہیں۔ خواہ وہ ہندو ہوں یا مسلمان!''

''اس کا مطلب یہ ہوا کہ سیاسی لوگ جو چاہیں گے کریں گے۔ کسی کی عبادت گاہ شہید کر دیں گے، کسی کی عزت لوٹیں گے، کسی کا خون کر دیں گے اور ہم محض تماشائی بنے رہیں گے؟'' ـــــ عرفان جذباتی ہو گیا۔

''تو بتاؤ ہم کیا کر سکتے ہیں۔ ایک سے ایک مسلم رہنما ملک میں موجود ہیں۔ کسی نے کچھ نہیں کیا تو بھلا ہم کیا کر سکتے ہیں۔''

''احتجاج...... ہم احتجاج کریں گے۔''

''احتجاج؟ کیسا احتجاج؟''

''کل اکھاڑہ میدان میں ہم لوگ کالا جھنڈا لہرا کر جمہوری احتجاج کریں

گے۔''

''اس سے کیا ہو جائے گا؟''

''اس سے دل کو تسکین تو ملے گی کہ ہم نے بابری مسجد کی شہادت پر احتجاج کیا اور احتجاج ہمارا جمہوری حق ہے۔''

''وہ تو ہے لیکن حالات سازگار نہیں ہیں، ممکن ہے اس کے ردعمل میں یہاں بھی بات بڑھ جائے۔''

''یہی تو ہم لوگوں کی بزدلی ہے کہ جمہوریت میں جو ہمیں حقوق حاصل ہیں ان کا بھی استعمال نہیں کرتے۔ ہم کسی کا خون نہیں کر رہے ہیں، کوئی فساد برپا نہیں کر رہے ہیں۔ صرف اپنے غم وغصہ کا اظہار کر رہے ہیں وہ بھی جمہوری طریقے سے'' ـــــ عرفان سلگ اٹھا تھا۔

''عرفان! میں تمہارے ساتھ ہوں، تم جو مناسب سمجھو کرو۔''

''تو چلو گاؤں کے لوگوں کو مطلع کر دیں کہ کل صبح چھ بجے ہم لوگ کالے جھنڈے کے ساتھ احتجاج کریں گے۔''

''ٹھیک ہے چلو۔''

دونوں گھر سے باہر نکل پڑے۔ ابھی وہ چند قدم ہی آگے بڑھے ہوں گے کہ دور سے ڈھول اور تاشوں کی آوازیں آنے لگیں۔ رہ رہ کر فضا میں نعرے اچھلنے لگے۔ یہ خوشی کے ڈھول اور نعرے پاس کے گاؤں سے آ رہے تھے۔ عرفان کو محسوس ہوا گویا یہ آوازیں اس کے سوئے جذبات کو بیدار کر رہی ہیں۔ عرفان وقار کو لے کر گاؤں کے کئی نوجوانوں سے ملا اور سب نے عرفان کی تجویز کو مناسب قرار دیا۔

دوسرے دن سبھی نوجوان اکھاڑہ میدان میں جمع ہو گئے اور کئی سیاہ جھنڈے

میدان میں لہرانے لگے مگر چند ثانیے کے بعد ہی انسپکٹر دیپک کمار ورما اپنے سپاہیوں کے ہمراہ وہاں آدھمکا اور عرفان کو گرفتار کر کے لے گیا۔ وقار اور ان کے ساتھیوں نے کافی احتجاج کیا مگر ڈنڈوں سے انہیں بھی خاموش کر دیا گیا۔ عرفان کی گرفتاری سے سارے گاؤں میں مایوسی چھا گئی۔

شام کا دھندلکا چاروں طرف پھیل چکا تھا۔ گاؤں میں چاروں طرف اداسی پھیلی ہوئی تھی۔ یوں محسوس ہوتا تھا گویا عاشورہ کی شب شروع ہونے والی ہے۔ لوگوں کی کافی دوڑ دھوپ اور مقامی ایم۔ ایل۔ اے کی پیروی کے سبب عرفان چھوٹ سکا تھا۔

عرفان حاجت سے تو چھوٹ گیا لیکن اس کے دل میں جو آگ لگی تھی اس سے چھٹکارا پانے میں وہ ناکام تھا۔ رہ رہ کر اس کے دل میں یہ خیال ابھرتا کہ اس نے ایک جمہوری احتجاج کیا تھا مگر اس کے نتیجے میں اسے ڈنڈے کھانے پڑے اور حاجت میں بند کر دیا گیا!۔ یہ کیسا ملک ہے؟ یہاں کیسا قانون ہے، جہاں احتجاج بھی نہیں کیا جا سکتا۔ اس کے اندر ایک بےچینی تھی جو اُسے کچھ کر گزرنے کے لئے اکسا رہی تھی۔ مگر وہ کوئی بھی ایسا قدم نہیں اٹھانا چاہتا تھا جس کا خمیازہ سارے گاؤں کو بھگتنا پڑے۔

عرفان اکھاڑہ میدان کی طرف لوٹ آیا۔ اس کے قدم تیز تیز اٹھ رہے تھے۔ میدان میں پہنچ کر اس نے دیکھا کہ سیاہ جھنڈا گرد و غبار میں اٹا اور پھٹا ہوا پڑا ہے۔ وہ بانس جس پر جھنڈا لہرایا گیا تھا کئی ٹکڑوں میں ادھر ادھر بکھرا ہے۔ وہ چپ چاپ وہاں کھڑا رہا۔ اب وہاں وقار، نصیر اور اس کے کئی ساتھی آ پہنچے۔ سب کی آنکھیں سوالی تھیں۔ سب کے دل میں کچھ نہ کچھ تھا مگر عرفان سے مشورہ کرنا ضروری تھا۔

"عرفان! پاس کے گاؤں والوں کی نیت ٹھیک نہیں لگتی۔ کل رات بھر لوگ وہاں نعرے لگاتے اور جشن مناتے رہے ہیں۔ وہاں کا ایک دھوبی آیا تھا جو کہہ رہا تھا کہ وہ لوگ ہمارے گاؤں پر حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اگر ہم لوگوں نے کچھ نہیں کیا تو یونہی مارے جائیں گے۔" —— وقار نے تشویش ظاہر کی۔

"ہاں عرفان، کچھ کرو۔ بڑے بزرگ تو کچھ کرنے سے رہے۔ وہ تو خدا کے بھروسے بیٹھے مسجدوں میں عبادت کر رہے ہیں اور تسبیح پڑھ رہے ہیں۔ لیکن خدا بھی اسی کی مدد کرتا ہے جو کچھ کرنے کا عزم رکھتا ہے۔ بابری مسجد اس لئے شہید ہوگئی کہ ہندوستان کے بیس کروڑ مسلمان ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہے" —— نصیر کو بھی گاؤں کی فکر لاحق ہوگئی تھی۔

"ہمارے گاؤں میں ویسے ہی زیادہ غریب بستے ہیں۔ نہ کسی کے پاس رائفل ہے نہ کارتوس۔ ہم اپنی حفاظت بھلا کیسے کریں گے۔ سب بے موت مارے جائیں گے۔ تم نے سنا ہوگا کہ بنگال میں فسادیوں نے "مسلم نعروں" کا کیسٹ لگا کر مسلمانوں کو کرفیو میں گھر سے باہر نکلنے کے لئے ورغلایا اور پھر پولس نے ان بےقصوروں کو گولیوں سے بھون ڈالا" —— نعیم نے یہ خبر سنائی۔

"اس انسپکٹر کے بچے سے کوئی توقع رکھنی بے وقوفی ہے۔ یہ سب فسادیوں کے دلال ہیں" —— وقار نے ایک اور سچائی کو سامنے رکھا۔

"ٹھیک ہے اپنے گاؤں کو بچانے کے لئے کوئی نہ کوئی قدم تو اٹھانا ہی پڑے گا۔ میں آج ہی شہر جاتا ہوں۔ وہاں کالج میں میرا ایک دوست ہے اسرار۔ اس کے ایسے لوگوں سے مراسم ہیں جو ہتھیار سپلائی کرتے ہیں۔ ممکن ہے وہ کوئی انتظام کردے...... ایسا کرو جلدی سے کچھ روپیہ اکٹھا کرو اور ایک جیپ یا کار کا بندوبست بھی" —— عرفان اس ناگہانی آفت سے اپنے گاؤں کو بچانا چاہتا تھا۔

چند گھنٹوں میں ہی روپیوں کا انتظام سب نے کرلیا۔ جب موت سر پر ناچتی ہے تو گڑی ہوئی دولت بھی باہر نکل آتی ہے —— عرفان وقار کو لے کر شہر کی طرف روانہ ہوگیا۔ وہاں اس نے اسرار سے ملاقات کر کے اپنا مقصد بیان کیا۔ اسرار نے فون پر ایک آدمی سے بات کی۔ اس نے بارہ گھنٹے کی مہلت مانگی لہٰذا عرفان اور وقار اسرار کے یہاں ہی ٹھہر گئے۔

رات بھر دونوں مضطرب رہے۔ شہر کا ماحول بھی کشیدہ ہوگیا تھا۔ پولس کی گشت میں اضافہ کر دیا گیا تھا۔ ہر گھر میں لوگ جاگ رہے تھے۔ کچھ لوگ رات بھر بستر پر کروٹیں بدل رہے تھے۔ کچھ نوجوان اپنے محلے کی حفاظت میں لگے تھے گویا ہر طرف کسی قیامت کی آمد آمد تھی ——

اللہ اللہ کر کے فجر کی اذان ہوئی۔ ایک آدمی نے سامان اسرار کے گھر پہنچا دیا۔ عرفان اور وقار گاؤں کی طرف چل پڑے۔ وہ سورج نکلنے سے پہلے گاؤں پہنچ جانا چاہتے تھے۔ مگر وہ جیسے ہی گاؤں میں داخل ہوئے۔ گاؤں کے باہر ہی سے دونوں کو عجیب وغریب شور وغل سنائی دیا۔ وہ چونک گئے اور پہلے شہر سے لائے ہوئے سامان کو کسی محفوظ جگہ پر چھپایا اور گھبرائے ہوئے گاؤں میں داخل ہوئے —— رات گاؤں پر آفت ٹوٹ پڑی تھی۔ جس کا خدشہ تھا وہی ہوا۔ بلوائیوں نے گاؤں پر حملہ کردیا تھا اور گاؤں کے کئی لوگ شہید ہوگئے تھے۔ شہید ہونے والوں میں عرفان کے والدین اور ایک چھوٹی بہن بھی تھی ——

اکھاڑہ میدان میں سبھی کے جنازے رکھے گئے تھے۔ پولس نے چاروں طرف سے گاؤں کو گھیر لیا تھا۔ نوجوانوں پر پولس کی خاص نگاہ تھی۔ وہ کہاں سے آرہے ہیں، کہاں جا رہے ہیں، کیا کر رہے ہیں۔ گویا انہیں گاؤں میں نظر بند سا کردیا گیا تھا!— پولس کی نگرانی میں تمام لاشوں کو قبر میں اتارا گیا۔ انسپکٹر ورمانے

عرفان کے پاس آکر اس کے کندھے پر ہاتھ رکھا اور کہا ——

''صبر سے کام لو، ہونی کو کوئی نہیں ٹال سکتا!''

عرفان نے عجیب نظروں سے انسپکٹر کو گھورا جیسے کہہ رہا ہو''تم لوگ کیسے محافظ ہو جو معصوموں کی جان کی حفاظت بھی نہیں کر سکتے اور بلوائیوں کو کوئی سزا بھی نہیں دے سکتے۔''

ساری رات عرفان چھپر پر نظریں جمائے سوچتا رہا۔ دیواروں کو گھورتا رہا۔ ساری رات اسے گزری ہوئی بھیانک آندھی کا شور سنائی دیتا رہا۔ اس کی آنکھوں کے سامنے آسمان کا سرخ گوشہ ڈوبتا ابھرتا رہا —— ساری رات اس کے دل کی دھڑکنیں انگاریں چنتی رہیں اور وہ بستر پر کروٹ بدلتا رہا۔ وہ بے چینیوں کی کشاکش سے آزاد ہونا چاہتا تھا۔ اسے باپ کی کراہ، ماں کی چیخ، چھوٹی بہن کی رندھی ہوئی بین کرتی ہوئی آواز، رہ رہ کر سنائی دے رہی تھی ——

وہ اٹھ بیٹھا۔ اس نے جلدی سے پاؤں میں جوتے پہنے اور باہر نکل آیا۔ کھڑکی سے باہر جھانک کر دیکھا۔ ابھی بھی کئی گھروں سے سسکیوں کی آوازیں آرہی تھیں۔ وہ آنگن میں لوٹ آیا۔ آسمان کی طرف دیکھا، رات کا تیسرا پہر شروع ہونے والا تھا۔ فرش پر جگہ جگہ ابھی بھی خون کے نشانات موجود تھے۔ بے پناہ درد کے طوفان میں گھرا وہ گھر کے چاروں طرف تک رہا تھا۔ سارے گھر سے خون کی بو آرہی تھی۔ چھپٹاہٹ...... تڑپ ...... دم توڑتے انسان...... آسمان اتنا بے رحم بھی ہوسکتا ہے ...... اتنا لال...... اتنا خون کہ دل کی دھڑکنیں تک سہم کر تھم جائیں؟

عرفان دفعتاً پیچھے کے دروازے سے باہر نکل گیا۔ آہستہ آہستہ قدم رکھتا وہ

اس مقام پر پہنچ گیا جہاں آج لائے ہوئے سامان کو ایک ویران کھنڈر میں رکھ چھوڑا تھا۔ اس نے ادھر ادھر دیکھا اور کھنڈر میں داخل ہوگیا۔ فوراً کچھ سامان ایک تھیلے میں لے کر وہ باہر نکل آیا اور چل پڑا۔ وہ سر سے پاؤں تک انتقام کی آگ میں جل رہا تھا۔ اس نے سوچا بھی نہیں تھا کہ اتنی جلدی یہ سب کچھ ہوجائے گا۔ کہیں دور اذیتوں میں مبتلا کتے کی ہیبت ناک بھنکار سنائی دے رہی تھی۔ جلے ہوئے مکانوں کی بو دور دور تک پھیلی ہوئی تھی۔ وقت کے اندھے راستے پر عرفان گزرتا رہا اور ہر سانس برہنہ شمشیر کی طرح عین سینے میں اترنے لگی۔ جبر کی اندھی رات جو گزر گئی تھی کئی داستانیں چھوڑ گئی تھی۔ جبر، ظلم، ننگے شیطانوں کا وحشت ناک رقص، گزرتے ہوئے وقت کے دامن کو تار تار، لہولہو کر گیا تھا——'

عرفان کا تو سب کچھ لٹ گیا تھا!

ہاں جو رہ گیا تھا وہ تھا اس کا اپنا وجود۔ عرفان کی چھاتی پر گھونسا سا لگتا تھا۔ وہ تڑپا تھا مگر پھوٹ کر نہیں رویا تھا۔ روتا بھی تو کیسے۔ رونے سے غم ہلکا ہو جاتا ہے۔ رونے سے ہی درد کی گانٹھ پگھلتی ہے اور وہ اپنا درد، اپنا غم ہلکا نہیں کرنا چاہتا تھا کہ ایسے میں بدلے کی آگ بجھنے لگتی ہے۔"

اندھیرے نے عرفان کا بھرپور ساتھ دیا۔ ابھی اس نے گاؤں کی سرحد پر ہی قدم رکھا تھا کہ سرچ لائٹ کی تیز روشنی نے اس کی آنکھوں کو چکاچوندھ کر دیا۔ اس نے آنکھیں جھپکا کر دیکھا۔ انسپکٹر ورما اپنے چند سپاہیوں کے ساتھ مع ہتھیار کھڑا تھا——"

"عرفان ایک قدم بھی آگے مت بڑھنا ورنہ گولی ماردوں گا"—— انسپکٹر ورما نے ریوالور تان کر کہا۔

عرفان نے لمحہ بھر کے لئے کچھ سوچا۔ ساتھ ہی اس کا داہنا ہاتھ جھولے کے

اندر رینگ گیا اور ایک بم اس نے انسپکٹر کی طرف پوری طاقت سے اچھال دیا۔ تیز روشنی بھی دھماکے کی آواز کے ساتھ ہوئی اور پھر ایک چیخ ابھری۔ پھر کئی گولیوں کے چلنے کی آوازیں اور پولس کا سائرن!

انسپکٹر ورما بری طرح زخمی ہوگیا تھا۔ بم ان کے پیروں کے قریب ہی پھٹا تھا۔ وہ خون سے لت پت تڑپ رہا تھا۔ سرچ لائٹ ٹوٹ کر بکھر چکی تھی مگر عرفان کا کہیں پتہ نہیں تھا——!

○ ○

آفتاب ڈوب چکا تھا۔ دھندلکا پھیل رہا تھا۔ آس پاس کی چیزیں رفتہ رفتہ آنکھوں سے اوجھل ہونا شروع ہو گئی تھیں۔ گاؤں پر تاریکی کی حکومت مسلط ہونے والی تھی۔ گاؤں کو ایک بار پھر پولس نے اپنے حصار میں لے لیا۔ اس بار سی۔ آر۔ پی کا دستہ تعینات کیا گیا تھا۔ تقریباً ہر گھر کی تلاشی ہو چکی تھی۔ کئی نوجوانوں کو بندوق کے بٹ سے مارا بھی گیا تھا——

''سالہ پاکستان بنا دیا ہے۔''

''سب آئی۔ ایس۔ آئی کا ایجنٹ ہے۔''

''اتنا مارو سالوں کو کہ اپنا نام بھی بھول جائے۔''

''بہن چود—— ہمارا کھاتا ہے اور ہم ہی سے غداری کرتا ہے۔''

مار اور گالی کھانے والوں میں وقار بھی تھا۔

گاؤں پر سکتہ طاری تھا۔ ہر آدمی اپنے اپنے گھر میں دبکا تھا۔ کوئی قدم باہر نہیں نکال رہا تھا۔ پولس کی سخت نظریں نوجوانوں کا تعاقب کرتی رہتی تھیں۔

وقت بوند بوند کر کے گرتا ہے اور خشک زمین پر گر کر کیسا سوکھ جاتا ہے اور دیکھتے دیکھتے نگاہوں سے اوجھل ہو جاتا ہے۔ زمین پر فقط اس کے نشان باقی رہ

جاتے ہیں۔ رفتہ رفتہ حالات معمول پر آتے گئے۔ لوگ ادھر ادھر آنے جانے لگے۔ گاؤں کا بازار بھی کھل گیا تھا اور خرید و فروخت کا سلسلہ ایک بار پھر شروع ہو گیا تھا۔

وقت جو گزرتا ہے اپنے پیچھے ان گنت واقعات، حادثات اور سوالات چھوڑ جاتا ہے۔ انسان ان واقعات و حادثات کا تجزیہ کرتا رہتا ہے۔ سوالوں کے جواب ڈھونڈتا رہتا ہے اور جواب نہ پا کر اسی میں مزید الجھتا رہتا ہے۔ ایک واقعہ انسان کی زندگی میں تغیر پیدا کر دیتا ہے۔ حساس انسان تو اس کی گرفت میں اس قدر مقید ہو جاتا ہے کہ تاعمر باہر نہیں نکل پاتا اور کچھ تو واقعات سے چشم پوشی کر کے اپنی دنیا ہی بدل لیتے ہیں۔

وقار نے کئی دنوں سے گھر سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ وہ اوندھے منہ بستر پر پڑا رہتا گویا اس کے جسم پر بھاری بوجھ رکھ دیا گیا ہو۔ اس کی آنکھیں جل رہی تھیں اور دل دھڑکتے دھڑکتے تھم سا جاتا تھا۔ پھر اس نے خود سے سوال کیا——

اُس کی زندگی کا مقصد کیا ہے؟

وہ کیوں زندہ ہے؟

خدا نے اسے کس لئے پیدا کیا ہے؟

کیا وہ انسانیت کو بچانے کے لئے کچھ نہیں کر سکتا؟

وقار کے سینے میں ایک چنگاری سی اٹھتی ہے جو اس کے پورے وجود کو روشن کر دیتی ہے۔ وہ مزید سوچنا چاہتا تھا مگر اس کے ابا لالٹین لے کر کمرہ میں داخل ہوتے ہیں۔ وقار کمرہ میں روشنی پا کر اٹھ کر بیٹھ جاتا ہے۔ اس کے ابا گویا ہوتے ہیں۔

''بیٹے! گاؤں کا ماحول بے حد مکدر ہو گیا ہے۔ تمہارا یہاں رہنا مناسب نہیں

ہے۔ ویسے بھی تم نے بی۔اے کرلیا ہے۔ اگر آگے تعلیم جاری رکھنا چاہتے ہو تو یونیورسٹی میں داخلہ لے لو ورنہ نوکری کے لئے کوشش کرو۔''

''ابا! پولس کا رویہ آپ نے دیکھا، کتنا وحشیانہ تھا۔ جیسے ہم اس ملک کے شہری نہیں کوئی دشمن ہیں'' ——— وقار کا لہجہ کراہ رہا تھا۔

''بیٹے پورے ملک کا حال یہی ہے۔ ہم اقلیت میں ہیں۔ اور اقلیت کو یہ عذاب تو لگتا ہے جھیلنا ہی پڑے گا'' ——— وقار کے ابا نے اُسے سمجھانا چاہا۔

''تو کیا ہم اس ملک کے شہری نہیں۔ ہمارا اس ملک پر کوئی اختیار نہیں۔ ہمارے لئے آئین میں کوئی جگہ نہیں۔ عرفان نے صرف جمہوری طریقے سے احتجاج ہی تو کیا تھا لیکن اس کا انجام کیا ہوا؟'' ——— وقار دھیرے دھیرے سلگ رہا تھا۔

''بیٹے تم لوگوں نے جو کیا تھا وہ درست تھا۔ لیکن حالات ایسے ہوگئے ہیں کہ ہمارے جمہوری احتجاج کو بھی باغیانہ رنگ دے دیا جاتا ہے۔ بیٹے ان باتوں پر زیادہ سوچنے سے کچھ حاصل نہیں۔ ہمارے اختیار میں کچھ نہیں ہے۔ مسلم رہنما اپنی روٹی سینک رہے ہیں۔ بابری مسجد کا اتنا بڑا واقعہ رونما ہوگیا لیکن ایک بھی مسلم لیڈر سامنے نہیں آیا۔ سبھی اپنے ڈرائنگ روم میں دبکے رہے۔ تم ان باتوں کو چھوڑو اور اپنی آگے کی زندگی کے بارے میں غور کرو کہ کیا کرنا ہے۔'' ——— وقار کے ابا نے سمجھانے کی کوشش کی۔ وقار نے مزید بات کو آگے نہیں بڑھانا چاہا اور خاموشی اختیار کرلی۔ کچھ لمحہ بعد گویا ہوا۔

''ابا، میں شاید اب آگے کی تعلیم جاری نہ رکھ سکوں گا۔ گاؤں میں جو کچھ ہوا ہے وہ میرے اعصاب پر پوری طرح حاوی ہے۔ گیا جاکر کوئی مناسب نوکری تلاش کرنے کی کوشش کروں گا۔'' ——— وقار نے چھوٹا سا جواب دیا۔

''بیٹا میں چاہتا ہوں تم گیا میں ہی رہو تو زیادہ مناسب ہے۔ وہاں تمہارے چچا ہیں۔ رہنے سہنے کی کوئی دشواری نہیں ہے۔ وہیں رہ کر نوکری تلاش کرو۔''

''جی بہتر ہے۔ میں ایک دو دن میں گیا کے لئے روانہ ہوجاؤں گا۔''

''خدا تمہیں اپنے مقصد میں کامیاب کرے۔ چلتا ہوں۔ نماز کا وقت ہو رہا ہے۔'' ——— وقار کے ابا مسجد کے لئے روانہ ہوگئے۔

رات بھیگتی گئی۔ سرد ہوا اس کی ہڈیوں میں گھس کر سیٹیاں بجانے لگی۔ اس نے دعا کے لئے ہاتھ اٹھایا ———

''یا خدا مجھے راستہ دکھا۔ میں کچھ کرنا چاہتا ہوں۔ میری رہنمائی کر، تاکہ میں اپنی قوم کے لئے کچھ کرسکوں۔''

دعا مانگی اور چہرے پر ہاتھ پھیر کر اپنی ڈبڈبائی آنکھیں لیے کمرے سے باہر آ گیا۔

○ ○

وقار اداس تھا۔ اسے اپنا چھوٹا سا گھر، اپنی ماں، اپنے باپ اور چھوٹے بھائی بہن کو چھوڑنے کا بہت غم تھا۔

جب وہ گیا پہنچا تو اس کے چچا نورالدین نے اس پر سوالوں کی بوچھار کردی۔ اس کی چچی نعیمہ اور چچازاد بہن عافیہ تمام واقعات کو حیرت اور خوف کے ساتھ سن رہی تھیں اور بیچ بیچ میں افسوس بھی ظاہر کر رہی تھیں۔

وقار تمام واقعات تفصیل سے بیان کر رہا تھا۔ اس کی آنکھیں نم ناک تھیں اور آواز رندھی ہوئی۔ وہ جو بھی واقعہ بیان کرتا سارا منظر ایک بار پھر اس کی آنکھوں کے سامنے ناچ جاتا اور اس کی اداسی بڑھ جاتی۔ اس کے چچا، چچی اور عافیہ کو اس ہیجانی کیفیت کا اندازہ تھا لیکن تمام واقعات جاننے کی خواہش بھی تھی اور وقار جبراً انہیں ایک ایک واقعہ تفصیل سے بتاتا جا رہا تھا——

جب بات مکمل ہوگئی تو چچی نے عافیہ کو کھانا نکالنے کی ہدایت دی۔ عافیہ کچن میں چلی گئی۔ چچی کو بھی کچھ یاد آیا تو وہ بھی کچن میں آگئیں۔ دونوں نے مل کر کھانا نکالا اور عافیہ نے ڈائننگ ٹیبل پر کھانا لگا دیا——

''آؤ وقار بیٹے کھانا کھالیں''—— نورالدین نے وقار سے کہا، وقار کا دل کھانے کے لیے بالکل تیار نہیں تھا حالانکہ بھوک کا احساس ہو رہا تھا۔ وہ بے دلی سے اٹھا اور ایک کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ نعیمہ اور عافیہ بھی بیٹھ گئیں۔

کھانے سے فارغ ہو کر وقار سونے کے کمرہ میں چلا گیا۔ اس کا ذہن بار بار گاؤں کی طرف مڑ جاتا۔ جیسے اسے کوئی بلا رہا ہو۔ کئی چیخیں، آہیں، گریہ وزاری۔ وہ آنکھ بند کر لیتا ہے اور سونے کی ناکام کوشش کرتا ہے۔ مگر جیسے نیند اس سے روٹھ گئی تھی یا وہ نیند کی آغوش میں جانا نہیں چاہتا تھا۔ بہرحال رات کا سفر جاری رہا اور پھر سورج نے اندھیرے کو نگل لیا——

وقار صبح صبح ہی اپنے دوست بلند اقبال کے گھر پہنچا۔ بلند اقبال کو اس کے گاؤں کے تمام واقعات معلوم ہو چکے تھے۔ اس لئے اس نے اس موضوع پر کوئی گفتگو کرنا بہتر نہیں سمجھا۔ اس سے سیدھے سوال کیا——

''وقار آگے کیا ارادہ ہے؟''

''میں اپنی پڑھائی چھوڑ رہا ہوں۔''

''کیوں؟''

''اب آگے پڑھنے کا ارادہ نہیں ہے۔''

''پھر کیا کروگے؟''

''ابھی فیصلہ نہیں کیا ہے!''

''لیکن تمہیں ایم۔اے کرلینا چاہئے۔''

''اب پڑھنے کی طرف ذرا بھی دھیان نہیں جاتا۔ گاؤں کے واقعہ نے مجھے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔''

''جو ہوا اس کا افسوس تو مجھے بھی ہے۔ اس وقت پورا ملک جل رہا ہے۔ شاید

ہی کوئی شہر ہوگا جہاں فساد نہ ہوا ہو۔ لیکن ہم کر بھی کیا سکتے ہیں؟''

''بہت کچھ کر سکتے ہیں ہمیں ایک ایسی تنظیم بنانی چاہئے جس سے مسلمانوں کے اندر سیاسی بیداری لائی جاسکے۔ فرقہ پرست طاقتوں سے انہیں ہوشیار کیا جاسکے۔''—— وقار نے اپنا مقصد واضح کیا۔

''یہ کام سیاسی لیڈروں کا ہے۔ ہم جیسے نوجوانوں کا نہیں۔ اول تو ہماری باتیں سنے گا کون؟ ہمارے ساتھ کون لوگ آئیں گے؟ اور پھر اس کے لئے روپیہ بھی چاہئے''—— بلند اقبال نے اپنا نظریہ رکھا۔

''آج ہندوستان میں مسلمانوں کی جو ابتر حالت ہے اس کے ذمہ دار صرف مسلم لیڈران ہی ہیں۔ وہ مسلمان کے نام پر ایم۔ ایل۔ اے، ایم۔ پی اور وزیر تک بن جاتے ہیں لیکن مسلمانوں کو آگے بڑھانے کے لیے کیا کرتے ہیں؟ کچھ نہیں۔ صرف دلالی کرتے نظر آتے ہیں''—— وقار کے اندر ایک چنگاری ابھر آئی تھی۔

''وقار میں سمجھتا ہوں۔ تمہارے اندر بہت آگ ہے۔ تم کچھ کرنا چاہتے ہو، لیکن اکیلے اتنا بڑا کام ممکن نہیں ہے۔''

''تم نے مجروح کا وہ شعر نہیں سنا۔

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

کسی نہ کسی کو تو آگے آنا ہی پڑے گا دوست۔ کامیابی اور ناکامی تو بعد کا مرحلہ ہے، لیکن ہم صرف یہ سوچ کر بیٹھ جائیں کہ یہ ہمارے بس کی بات نہیں تو پھر کچھ نہیں کر سکیں گے۔ کوشش کرنے میں حرج ہی کیا ہے۔''—— وقار کے اندر ایک حوصلہ جھانک رہا تھا۔

''تمہارے جوش اور جذبے نے میرے اندر بھی کچھ حوصلہ پیدا کیا ہے۔ میں

بھی اپنی قوم کے لئے کچھ کرنا چاہتا ہوں لیکن ابھی تک سمجھ نہیں پا رہا ہوں کہ کیا کروں۔ چلو تم نے ارادہ کیا ہے تو میں بھی تمہارے ساتھ ہوں۔ اب بتاؤ کام کیسے شروع کیا جائے۔'' بلند اقبال نے حامی بھر دی۔

''سب سے پہلے ہم ہر محلے کے ان نوجوانوں کی فہرست تیار کریں جو پڑھے لکھے ہیں اور سیاسی سوجھ بوجھ رکھتے ہیں۔ پھر ان سے مل کر ایک تنظیم کی تشکیل کا پروگرام طے کریں۔ کمیٹی میں صرف نوجوانوں کو ہی رکھا جائے اور بوڑھوں کو بس مشیر کار کے طور پر شامل کیا جائے۔ کیونکہ یہ صرف مشورے ہی دے سکتے ہیں۔ عملی طور پر کچھ نہیں کر سکتے''—— وقار نے بہت کچھ سوچ رکھا تھا۔

''تمہارا کہنا درست ہے۔ ہم اپنا کام آج ہی سے شروع کرتے ہیں۔ ابھی گیوال بیگہہ چلتے ہیں۔ وہاں سفیر نام کا ایک نوجوان ہے جو بہت فعال ہے مگر وہ کسی کمیونسٹ پارٹی سے منسلک ہے۔ پہلے اس سے بات کرتے ہیں اگر وہ ساتھ آگیا تو شہر میں اس کی ایک اچھی پکڑ ہے وہ کئی نوجوانوں کو گول بند کر دے گا اور اس کے پاس کام کرنے کا تجربہ بھی ہے۔''—— بلند اقبال پوری دلچسپی دکھا رہا تھا۔

''تو چلو آج ہی اس سے ملاقات کی جائے۔''—— وقار اٹھتے ہوئے بولا۔

دوپہر ہو چلی تھی۔ لوگ اپنے اپنے کاموں میں منہمک تھے۔ حالانکہ سبھی کے چہرے پر خوف کے سائے لہرا رہے تھے۔ ایک غیر یقینی صورت حال کے لیے لوگوں نے کسی نہ کسی طور خود کو زبردستی تیار کر رکھا تھا۔ حالانکہ گیا شہر میں فساد نہیں ہوا تھا۔ اس کی دو وجہیں تھیں۔ پہلی وجہ یہ تھی کہ گیا کا جغرافیہ دوسرے شہروں سے قدرے مختلف ہے۔ یہاں کسی بھی محلے میں جانے کے لئے کئی سڑکیں اور گلیاں موجود ہیں۔ پھر ہندو اور مسلمان مشترک آباد نہیں ہیں۔ چھتہ مسجد سے مسلم محلہ شروع ہوگا

تو یہ قصاب ٹولہ، معروف گنج، کریم گنج، نیو کریم گنج، علی گنج جا کر ختم ہوگا۔ ہندوؤں کا محلہ شاہ میر تکیہ سے شروع ہو کر چاند چوراہا، وشنوپد، اندر گیا جا کر اختتام پذیر ہوگا۔ دوسرے محلے خواہ ہندو کے ہوں یا مسلمانوں کے، اگر آبادی ہے تو لگا تار سو گھر کی۔ ایک دو چھوٹے محلے ہیں جہاں دونوں کی آبادی ملی جلی ہے —— دوسری سب سے اہم وجہ یہ رہی کہ اس وقت وہاں کی ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ایک پس ماندہ طبقے کی خاتون تھی جو بہت ہی چاق و چوبند تھی اور ساری ساری رات فورس لے کر ہر محلے میں گشت لگاتی رہتی تھی۔ اس کا ساتھ دینے کے لئے ایک بالکل نئے ایس۔ پی تھے۔ کشیدگی ہونے کے باوجود کرفیو نافذ نہیں کیا گیا تھا۔ ایک دو جگہ بم دھماکے ہونے کے باوجود کسی فرقے کے لوگوں کی گرفتاری عمل میں نہیں آئی تھی۔ دوسری بات یہ کہ ضلع حکام نے ان لوگوں سے ہمیشہ رابطہ بنا کر رکھا جو ہر محلے میں سیکولر سوچ کے لوگ تھے۔ ان میں وکیل، پروفیسر، ڈاکٹر اور سیاسی لوگ بھی تھے —— میری نظر میں ایک وجہ اور بھی ہو سکتی ہے کہ وسط بہار میں کمیونسٹوں کی پکڑ بہت مضبوط ہے اور کمیونسٹ سیکولر مزاج رکھتے ہیں بلکہ فرقہ پرستوں کا مقابلہ بالکل سامنے سے کرتے ہیں۔

بہر حال آفت ٹل چکی تھی اور لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف ہو چکے تھے۔ پولس بھی تھوڑی راحت کی سانس لے رہی تھی حالانکہ رات کی گشت اب بھی جاری تھی اور لوگ بھی رات میں جاگے ہوئے سوتے تھے۔ شاید کوئی ناخوش گوار واقعہ رونما ہو جائے۔

وقار اور بلند اقبال سفیر کے پاس پہنچے۔ سفیر نے انہیں عزت سے بٹھایا۔ انہوں نے اپنی باتیں رکھیں۔ سفیر نے ساری باتیں غور سے سنیں اور یوں گویا ہوا ——

''وقار صاحب! میرا مشورہ ہے کہ الگ سے کوئی تنظیم نہ بنائی جائے بلکہ جو سیکولر تنظیمیں یہاں کام کر رہی ہیں ہم ان کے ساتھ مل کر ہی کام کریں۔ جہاں آپ نے مسلم تنظیم کا نام دیا آپ شک کے گھیرے میں آ جائیں گے اور پولس آپ کو تنگ کرنے لگے گی۔ بہتر یہی ہے کہ ہم لوگ کسی سیکولر تنظیم کو مضبوط کریں۔ جس میں دونوں فرقے کے لوگ ہوں۔ میرا ماننا ہے کہ ہر ہندو فرقہ پرست نہیں ہوتا۔ جو سیکولر سوچ رکھتے ہیں اور فرقہ پرستی کے خلاف لڑنا چاہتے ہیں، ان کو اگر ہم ساتھ لے کر چلیں تو یقیناً ہم فرقہ پرستی پر فتح حاصل کر سکتے ہیں۔'' —— سفیر نے اپنا موقف بیان کیا۔

''لیکن اس میں دفاع کا کام ہم نہیں کر پائیں گے۔ ان کو لگے گا کہ جہاں ہم ایک طرف سیکولر بنتے ہیں وہیں دوسری طرف دفاع کے لئے بھی فکر مند ہیں۔ ایسی حالت میں شاید ہم لوگ زیادہ دیر تک کام نہیں کر پائیں'' —— وقار نے دفاع کی بات اٹھائی۔

ایسی بات نہیں ہے۔ ظاہر ہے ہم اقلیت میں ہیں تو ہمیں دفاع کی ضرورت پڑے گی اور اس بات کو سیکولر مزاج رکھنے والے بخوبی جانتے ہیں اب معاملہ یہ ہے کہ دفاع کے نام پر غلط قدم نہ اٹھائیں۔ واقعی جب لگے گا کہ ہماری جانیں غیر محفوظ ہیں تو ہم اس کا استعمال کریں گے'' —— سفیر نے دفاع کو اپنے نظریے سے رکھا۔

''سفیر صاحب ہم آپ کی اس رائے سے متفق نہیں۔ ہم بالکل علیحدہ مسلم تنظیم بنانا چاہتے ہیں تاکہ ہم کھل کر کام کر سکیں اور کوئی میرے کام میں مخل نہ ہو'' —— وقار بضد تھا۔

''وقار صاحب میں آپ کے جذبات کی قدر کرتا ہوں لیکن جذبات میں اٹھایا

گیا قدم اکثر غلط ہوتا ہے۔ میں بھی مسلمانوں کے اندر بیداری لانا چاہتا ہوں۔ انہیں جاگرک کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے جدوجہد کر رہا ہوں لیکن میں ایک کمیونسٹ پارٹی کے ساتھ مل کر یہ کام کر رہا ہوں اور مجھے لگتا ہے میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوں۔ یہ کوئی ضروری نہیں کہ آپ ہماری حمایت کریں۔ میں آپ کے ساتھ ہوں لیکن کلی طور پر میں آپ کے ساتھ منسلک نہیں ہوسکتا اور نہ ہی کوئی عہدہ قبول کرسکتا ہوں۔ آپ جب، جہاں مجھے بلائیں گے میں حاضر ہو جاؤں گا یا کہیں چلنے کو کہیں گے میں ہمیشہ تیار ملوں گا۔ مجھ سے جو تعاون آپ چاہیں لے سکتے ہیں۔ میں کبھی پیچھے نہیں رہوں گا۔" —— سفیر ایک متحرک نوجوان تھا۔

"مجھے آپ سے یہی امید ہے اور میں جانتا ہوں آپ میرا بھرپور تعاون کریں گے۔" —— بلند اقبال نے کہا۔

وقار اور بلند اقبال نے سفیر کو اپنی ٹیم میں شامل کر کے پہلی کامیابی حاصل کر لی تھی حالانکہ اس کا تعاون جزوی تھا مگر یہ جزوی تعاون کلی تعاون سے بھی بہتر ہوسکتا ہے۔ دونوں آگے کی منزل کی طرف بڑھ گئے کیوں کہ آج انہوں نے کئی لوگوں سے ملنے کا پروگرام طے کیا تھا——

○ ○

رات کو جب عرفان بستر پر لیٹا اور سونے کی کوشش کی تو اس نے اپنی آنکھوں میں چبھن محسوس کی۔ چراغ کی لو کب کی ٹوٹ چکی تھی۔ مگر اس کی آنکھیں اب بھی جل رہی تھیں۔ اسے دلی آئے کئی ہفتے گزر چکے تھے لیکن اس واقعہ کو ایک پل کے لئے بھی وہ بھول نہیں پایا تھا۔ دیوار پر لگا بلب دھیرے دھیرے مدھم روشنی بکھیر رہا تھا جس میں عرفان کا سراپا ڈوبتا چلا گیا تھا۔ ڈوبتا ہی چلا گیا—— پھر بہت دیر بعد درد کی گہرائیوں سے ابھرا تو اس وقت آدھی رات سے زیادہ گزر چکی تھی۔ سرد ہوا کے تیز جھونکے باہر درختوں کے پتوں سے الجھ الجھ کر گزر رہے تھے اور وہ اکیلا کمرہ میں پسینے سے شرابور پلنگ پر لیٹا ہوا تمام واقعات کو یاد کر رہا تھا۔ اس کا چہرہ رہ رہ کر تمتما جاتا—— مٹھیاں بھنچ جاتیں اور آنکھوں میں شعلہ اتر آتا—— احمر ہر ممکن کوشش کر رہا تھا کہ عرفان اس اذیت ناک واقعے سے نکل جائے اور پھر سے ایک نئی زندگی کا آغاز کرے۔ عرفان گاؤں سے نکل کر سیدھے اسٹیشن پہنچا تھا اور پہلی ٹرین پکڑ کر دلی آگیا تھا۔ احمر اس کے بچپن کا دوست تھا اور کئی سالوں سے دلی میں مقیم تھا۔ وہ ایک سیاسی پارٹی کا فعال کارکن تھا اور اسی سے اس کے اخراجات چلتے تھے۔ اس نے ایک غیر مسلم لڑکی وندنا سے شادی کر لی تھی۔ وندنا

ایک آفس میں کام کرتی تھی۔ اس طرح دونوں ایک خوشحال زندگی بسر کر رہے تھے۔

عرفان نے ایک بار آنکھیں کھول کر بند کرلیں۔ اسے محسوس ہوا نمی کا ایک قطرہ اس کے گالوں پر لڑھک آیا ہے۔ اس کے ہونٹ کانپنے لگے ہیں۔ اس کی روح سسکنے لگی ہے۔ وہ کتنا تنہا ہوگیا ہے۔ دنیا میں کوئی بھی ایسا نہیں جسے وہ اپنا کہے۔ اس کے تپتے ہوئے ماتھے پر اپنے لرزتے ہوئے ہاتھ رکھ دے۔ اس کے سسکتے ہوئے دل کو سہارا دے اور آنسوؤں کا مداوا بنے۔

اس نے کھڑکی کی طرف دیکھا۔ چاند دوسری طرف جھک گیا تھا اور آخری رات کی ہوائیں چل رہی تھیں۔ اسے یکایک خنکی کا احساس ہوا اور اس کا جسم ہلکے ہلکے کانپنے لگا۔ رات کی خاموشی اور خنکی میں اسے خود اپنی سسکی سنائی دی اور اس بے چینی کو دور کرنے کے لئے جو اس کے دل و دماغ پر حاوی تھی اٹھ کر ٹہلنا شروع کر دیا—— ہاتھ میں سگریٹ —— ہر پرانے سگریٹ سے ایک تازہ سلگتا ہوا سگریٹ —— کمرہ کے اس کونے سے اس کونے تک ٹہلتا رہا۔ عجیب بے چینی تھی اس کے اندر——

''اوہ ایسی بے چینی میں نے پہلے بار دیکھی ہے۔'' —— وندنا کمرہ میں داخل ہوئی۔ ساتھ میں احمر بھی تھا۔ عرفان رُک گیا۔

''وندنا تمہارے ساتھ ایسا دل دوز واقعہ نہیں گزرا۔ اس لئے میری بے چینی اور تڑپ کا اندازہ تم نہیں لگا سکتی۔'' —— عرفان نے بے چینی کا اظہار کیا۔

''میں مانتی ہوں، لیکن اب اس پر ماتم کرنے سے کچھ حاصل ہونے والا نہیں'' —— وندنا نے سمجھانے کی کوشش کی۔

''میرے اندر ایک آگ سلگ رہی ہے جو مجھے ہر لمحہ تڑپا رہی ہے۔ بے قرار

کر رہی ہے۔'' —— عرفان ایک بار پھر سلگ اٹھا۔

''عرفان ایک بار تم نے غصے میں جو قدم اٹھایا اس کے عوض میں تمہیں اپنا گاؤں اور شہر چھوڑنا پڑا۔ یہ مت بھولو کہ پولس بہار میں تمہیں ضرور تلاش کر رہی ہوگی اور اگر تم نے اب اور کوئی ایسی ویسی حرکت کی تو بری طرح مشکل میں پڑ جاؤ گے'' —— احمر نے سمجھایا۔

''لیکن میرے اندر انتقام کی آگ سلگ رہی ہے۔''

''کیسا انتقام؟ —— احمر نے سوال کیا۔

''اپنے پورے پریوار اور گاؤں کے معصوم لوگوں کی جان کا بدلہ!'' —— عرفان کی مٹھیاں بھنچ گئیں۔

''کس سے لوگے بدلہ؟'' ...... احمر نے سوال کیا۔

''اس سماج سے۔ اس سڑے گلے نظام سے، جس نے مسلمانوں کی شناخت پر حملہ کیا ہے۔ فساد برپا کیا ہے۔ لوٹا ہے ہمیں۔ اور وہ مجرم اور دنگائی شان سے گھوم رہے ہیں'' —— عرفان کا چہرہ تمتما گیا۔

''عرفان ایک دن میں بھی تمہاری طرح ہی سوچتا تھا۔ کچھ کرنے کا عزم تھا میرے اندر، سماج کو بدلنا چاہتا تھا۔ مسلمانوں کے تئیں ہر لمحہ ہر پل سوچتا تھا۔ ان کو پستی سے نکالنا چاہتا تھا۔ اس لئے میں نے سیاست کا میدان چنا۔ تمہارے لاکھ منع کرنے کے باوجود میں کالج کی سیاست میں بھرپور دلچسپی لیتا رہا۔ اور اسی لئے اس چھوٹے سے شہر کو خیر باد کہہ کر دلی چلا آیا۔ یہاں بھی میں سیاست کے میدان میں کود پڑا۔ اور بہت سوچ سمجھ کر میں نے اس پارٹی کا انتخاب کیا جس میں نہ صرف میں محفوظ ہوں بلکہ کسی کے لئے بھی کچھ کر سکتا ہوں۔ دلی آتے ہی مجھے وندنا مل گئی جو میری اچھی دوست بن گئی اور اب میری بیوی ہے۔ عرفان اُدھر ہی چلو جس

طرف ہوا بہہ رہی ہے۔ مخالف سمت میں چلوگے تو یہ ہوا تمہیں ایسی جگہ لے جا کر پٹخے گی کہ تمہارا نام ونشان بھی باقی نہیں رہے گا۔ مجھے دیکھو اب کسی کا خوف نہیں ہے۔ شان کی زندگی جی رہا ہوں۔ اور پارٹی نے وعدہ کیا ہے کہ اگلے اسمبلی الیکشن میں وہ مجھے ٹکٹ دے گی۔''—— احمر نے اپنی کارگزاریاں گنوادیں۔

''ہاں دوست تم نے بہت کچھ حاصل کیا لیکن اپنے ضمیر کو بیچ کر۔''

''اس میں ضمیر بیچنے کی بات کہاں ہے۔ بات زندگی کو اپنے ڈھنگ سے جینے کی ہے۔ تم جو زندگی جینا چاہتے ہو اس میں ناکامی، بدنامی، اذیت اور ایک دن موت ہے جبکہ میں جو زندگی جی رہا ہوں اس میں خوشی، کامیابی، نیک نامی اور روشن مستقبل ہے۔''

''تم مسلمان کے نام پر مسلمانوں کا سودا کر رہے ہو۔''

''یہاں بیشتر آدمی فروخت ہونے کو تیار کھڑا ہے۔ اور خریدار ہر وقت خریدنے کے لئے روپیہ کا تھیلہ لیے ہر موڑ پر موجود ہے۔ اور جو نہیں بکتا ہے اسے موت کی قیمت چکانی پڑتی ہے۔ تم یہ بات ابھی نہیں سمجھوگے، کیوں کہ تم کبھی بھوکے نہیں رہے ہو۔ کبھی ایک ایک روپیہ کے لئے محتاج نہیں ہوئے ہو۔ بھوک اور مجبوری سارے نظریے اور فلسفے کو طاق پر رکھ دیتی ہے عرفان۔ کچھ ہی دن میں سب کچھ سمجھ میں آجائیگا۔''—— احمر نے حقیقت سے آشنا کرایا۔

عرفان خاموش ہوگیا۔ وہ اس موضوع پر مزید بحث کرنا نہیں چاہتا تھا۔ احمر اور وندنا کمرہ سے نکل گئے۔ عرفان خالی کمرہ کو دیکھتا رہا۔

○○

آج شام عرفان اندھیرے سے نکل کر روشنی میں آگیا۔ باہر کی دنیا کس قدر رنگینی میں ڈوبی ہوئی تھی اور وہ کئی ہفتوں سے اندھیرے میں محبوس رہا تھا۔

ریستوراں کے اندر گہما گہمی تھی۔ عرفان، احمر اور وندنا کرسی پر جم گئے۔ آج ایک خاص ڈانس کا پروگرام تھا جسے دکھانے کے لئے احمر عرفان کو لایا تھا۔ ڈانس سے لوگ لطف اندوز ہو رہے تھے۔ مگر عرفان خاموش بیٹھا تھا۔ آج پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ لوگ اپنی ذہنی عیاشی کی تسکین کے لئے کیا کیا سامان بہم پہنچاتے ہیں۔

''کیا سوچ رہے ہو عرفان؟—— یار انجوائے کرو۔''—— احمر عرفان سے مخاطب ہوا۔

''سوچ رہا ہوں زندگی کے بارے میں!''

''کس کی زندگی کے بارے میں''—— اس بار وندنا بولی۔

''ایک یہ زندگی ہے جہاں غم کا شائبہ تک نہیں اور ایک وہ زندگی ہے جہاں لوگ ایک ایک چیز کے لئے ترستے ہیں۔''

''ترستے وہی ہیں جو حاصل نہیں کر پاتے۔ جو حاصل کرتے ہیں وہ اس کا استعمال اسی طرح کرتے ہیں۔''——احمر نے اپنا فلسفہ رکھا۔

''لیکن یہ ناجائز خرچ ہے۔ اس سے کسی غریب کا بھلا کیا جاسکتا ہے''—— یہ عرفان کے اندر کی آواز تھی۔

''یار تم مارکسوادی تھیوری چھوڑو اور زندگی کے مزے لو، چند دن کی زندگی ہے۔ جتنا چاہو موج اڑالو۔''—— احمر کے نزدیک زندگی کا یہی نظریہ تھا۔

''احمر تم بدل گئے ہو—— بہت بدل گئے ہو''—— عرفان اس کی رائے سے متفق نہیں تھا۔

''زمانہ تغیر پذیر ہے۔ جو خود کو نہیں بدلتے وہ پیچھے رہ جاتے ہیں اور زمانہ آگے نکل جاتا ہے۔ عرفان ایک بات بتاؤ۔ دنیا میں مسلم سائنس داں کا فقدان کیوں ہے—— کیوں کہ جدید تعلیم سے مسلمان ہمیشہ دور رہے لیکن دوسروں کی ایجاد کی ہوئی چیزوں کا استعمال کرنے سے کبھی گریز نہیں کیا۔ بلب، ریل، جہاز، ٹیلی فون، ریڈیو، ٹیلی ویژن، کمپیوٹر، انٹرنیٹ—— مسلمانوں کو روزہ نماز، گناہ ثواب، حرام وحلال کے جال میں اس طرح الجھا کر رکھا گیا ہے کہ وہ اس کے آگے کچھ سوچ بھی نہیں سکتے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کے کتنے سائنسی ادارے ہیں۔ مدرسے اور اقلیتی اسکولوں کے علاوہ ان کے پاس کچھ نہیں۔ وہ تو سرسید کا بھلا ہو کہ دور اندیشی سے کام لے کر ایک یونیورسٹی قائم کر دی لیکن وہاں بھی پڑھنے کے لئے کتنے مسلمان بچے جاتے ہیں۔''—— احمر نے اپنی بات سے عرفان پر دباؤ بنانا چاہا۔

''اس لئے نہیں جاتے کیوں کہ مسلمان اقتصادی طور پر بے حد پچھڑے ہیں''—— عرفان نے وجہ بیان کی۔

''پچھڑے ہیں تو اپنی وجہ سے۔ تم خود کو دیکھو ایک بابری مسجد کے ٹوٹ

جانے کا غم ابھی تک منا رہے ہو۔ ہندوستان میں کتنی مسجدیں ایسی ہیں جو بالکل ویران پڑی ہیں۔ وہاں نمازیں نہیں ہوتیں—— یہ کام ان ٹھیکیداروں کے لئے چھوڑ دوں جو مسلمانوں کی سیاست کر کے اپنی روزی روٹی چلا رہے ہیں۔ یہ سب بھی کروڑوں کماتے ہیں۔ ایک بار فتویٰ دے دیا اور اگر اسی پارٹی کی سرکار بن گئی۔ تو پاؤ بارہ—— اور تمہارے جیسے نوجوان ان رہنماؤں کے پیچھے پیچھے چلتے رہتے ہیں اور اپنی طاقت برباد کرتے ہیں۔ یہ نوجوان سمجھتے ہیں کہ یہ سیاست داں کوئی بہت بڑا انقلاب لادیں گے—— قطعی نہیں—— پوچھو ان سے جا کر کہ جب بابری مسجد ٹوٹ رہی تھی تو یہ مسلم رہنما کہاں تھے۔ سب اپنے اپنے ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹی۔ وی پر ٹوٹنے کا منظر دیکھ رہے تھے—— اسے بچانے کے لئے پہلے کیوں نہیں گئے۔ حکومت پر ہی ساری ذمہ داری کیوں چھوڑ دی۔ جبکہ قیاس کیا جا رہا تھا کہ کوئی بھی غیر معمولی واقعہ رونما ہو سکتا ہے اور وہی ہوا—— عرفان تم جسے مسلم رہنما سمجھتے ہو یہ سب فروخت ہونے والے ہیں۔ مسلمانوں کے نام پر اپنے آپ کو بیچتے ہیں۔ ان کے دلوں میں مسلمانوں کے لئے کوئی ہمدردی نہیں۔ یہ مسلمانوں کی بھلائی اور فلاح کے لئے کبھی فکر مند نہیں ہوتے۔ انہیں بس اپنی فکر ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ دولت کیسے کمائی جائے اور اپنی کرسی کو کیسے برقرار رکھا جائے—— اس لئے اب ان باتوں کو چھوڑو اور میری طرح زندگی کا مزہ لو''—— احمر اپنی لمبی تقریر کے ذریعہ عرفان کو متاثر کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

عرفان پر احمر کی باتوں کا اثر ہونے لگتا ہے۔ اسے احمر کی کچھ باتیں مناسب معلوم ہوتی ہیں۔ اور اب وہ اس کی باتوں کے دائرے میں پھنسنے لگا تھا—— ہندوستان—— مسلمان—— مسلم سیاست—— سب گڈمڈ ہو گئے تھے—''

○○

ایک ہفتے کی مسلسل کوششوں کے بعد وقار اور بلند اقبال نے تقریباً ایک سو نوجوانوں سے ملاقات کی تھی۔ ان میں کچھ نے تو سردمہری سے کام لیا، کچھ صرف لفاظی کرتے رہے، کچھ نے حامی بھری اور کچھ عملی طور پر آگے بڑھے۔ اس طرح وہ ایک تنظیم تشکیل دینے کی پوزیشن میں آگئے تھے۔ عمر دراز اشخاص نے بھی تعاون کے وعدے کئے تھے۔ مفید مشورے دیے تھے اور چند ایک ساتھ بھی ہو لئے تھے۔ اس طرح تنظیم بنانے کا عمل لگ بھگ شروع ہو چکا تھا اور اس کے لئے ۲۱ تاریخ کا دن مقرر کیا گیا تھا۔ شہر کے معزز اشخاص، وکلاء، ڈاکٹر، پروفیسر، سیاسی رہنما اور نوجوانوں کو دعوت نامے بھجوا دیے گئے۔

وقار جب کمرہ میں اپنے کام میں مشغول تھا، عافیہ چائے کا ٹرے لئے داخل ہوئی۔ ٹرے میز پر رکھ کر سامنے بیٹھ گئی۔ وقار اسی طرح اپنے کام میں مشغول رہا۔

''میں نے کہا جناب چائے حاضر ہے''——عافیہ نے اس کی مشغولیت پر حملہ کیا۔ وقار نے سر اٹھا کر دیکھا۔

''اوہ عافیہ تم............''

اس نے چائے کی طرف دیکھا۔

''اچھا چائے لائی ہو............شکریہ............چائے کی خواہش بھی ہو رہی تھی۔''

وقار چائے کی پیالی اٹھا لیتا ہے۔

''وقار کس کام میں اس قدر منہمک ہو، مجھے بھی تو بتاؤ، شاید میں بھی تمہاری کچھ مدد کر سکوں۔''

''میں مسلمانوں کے لئے ایک تنظیم فورم کر رہا ہوں تاکہ ان کے اندر سیاسی بیداری لائی جاسکے۔ انہیں جاگرک بنایا جاسکے۔ ان کو حقوق کے بارے میں بتایا جاسکے۔''

''کس پارٹی کو جوائین کیا ہے؟''

''میں کسی سیاسی پارٹی میں رہ کر یہ کام نہیں کرنا چاہتا۔ میں مسلمانوں کی ایک آزادانہ تنظیم چاہتا ہوں جو سیاسی، سماجی حقوق کے لئے لڑ سکے۔ ان کا حق دلا سکے۔''

''یعنی ایک اور مسلم لیگ............''

''بس یہی تو افسوس ہے کہ لوگ میری بات سمجھ نہیں رہے ہیں اور تم نے بھی وہی بات کہہ دی جو اور لوگوں نے کہا ہے۔''

''وقار! یہاں مسلم تنظیم کا مطلب سیدھے سیدھے مسلم لیگ ہی سمجھتے ہیں۔ تم اس پر لاکھ ملمع چڑھاؤ۔''

''لیکن ہماری تنظیم کا الیکشن سے کوئی مطلب نہیں ہوگا۔''

''تو پھر تمہاری تنظیم کے لوگ اور تمہارے خیر خواہ کس کے حق میں ووٹ ڈالیں گے۔ اسی پارٹی کے حق میں جس نے مسلمانوں کو پامال کیا ہے۔ یہ تنظیم نہیں

چلے گی وقار''—— عافیہ نے دوٹوک بات کہہ دی۔

''کیوں؟''

''کیوں کہ ویسے بھی مسلمان بہتر (۷۲) فرقوں اور مسلکوں میں بٹے ہوئے ہیں۔ اگر تم ایک فرقہ یا ایک مسلک کو لے کر آگے بڑھو گے دوسرا فرقہ تمہاری مخالفت پر اتر آئے گا۔''

''میرا کوئی مفاد نہیں ہے اور میں کسی ایک مسلک یا فرقہ کے لئے کام نہیں کر رہا ہوں بلکہ تمام مسلمانوں کے لئے کام کر رہا ہوں۔''

''لیکن دوسرے لوگ اس میں کوئی نہ کوئی مفاد ڈھونڈ نکالیں گے اور وہ تمہارے خلاف کھڑے ہو جائیں گے۔ یہاں کے مسلمان اب جدوجہد اور تگ و دو کرنا نہیں چاہتے وہ چاہتے ہیں کہ ہر کام ان کا آسانی سے کوئی دوسرا پورا کر دے اور وہ گھر میں آرام سے بیٹھے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آزادی کے بعد یہاں کوئی تحریک نہیں ابھر سکی یا مسلمانوں کی کوئی تنظیم کارگر ثابت نہیں ہوئی''—— عافیہ چونکہ پولیٹکل سائنس کی طالبہ تھی اس لئے سیاست پر اس کی گہری نظر تھی۔

''تم میرا حوصلہ پست کر رہی ہو۔''

''حوصلہ پست نہیں کر رہی ہوں بلکہ حقیقت سے آشنا کرا رہی ہوں۔ یہ قوم اتنی بے حس ہوگئی ہے کہ تم ایک دو سال میں ہی تھک جاؤ گے اور تمہاری تنظیم کا شیرازہ بکھر جائے گا۔''

وقار عافیہ کا منہ تکتا رہ گیا۔ اس نے پہلی بار اس قدر بے باکانہ انداز میں اس سے گفتگو کی تھی اور وہ بھی لوجک کے ساتھ۔ عافیہ نے جب وقار کو دیکھا تو اسے لگا کہ وقار کو اسکی باتیں بری لگی ہیں۔ وہ پھر گویا ہوئی——

''میں تمہیں منع نہیں کر رہی ہوں یا تمہارے حوصلے پست نہیں کر رہی ہوں

بلکہ ایک ٹھوس حقیقت کو تمہارے سامنے رکھ رہی ہوں۔ میں جانتی ہو کہ تم میرے منع کرنے کے باوجود نہیں مانو گے کیوں کہ تم پر کچھ کرنے کا جنون سوار ہے اس لئے کر و میں تمہاری کامیابی کے لئے دعا کروں گی۔''

عافیہ کمرہ سے نکل گئی اور وقار اسے جاتا دیکھتا رہا۔

○○

آج سورج خاصا باوقار تھا۔ زندگی کی تیز رفتاری اسی طرح برقرار تھی بلکہ اس میں مزید اضافہ ہوگیا تھا۔ ہر آدمی بھاگ رہا تھا اور زندگی اس سے تیز بھاگ رہی تھی اور اس بھاگ دوڑ میں عرفان ایک کار کی زد میں آتے آتے رہ گیا تھا۔ کار ایک لڑکی ڈرائیو کر رہی تھی۔ اس نے بریک لگایا اور چہرہ نکال کر عرفان کو ناگواری سے دیکھا۔ شاید بدبدائی تھی——

''نہ جانے کہاں کہاں سے آجاتے ہیں لوگ دلّی کی سڑکوں پر، جنہیں چلنا بھی نہیں آتا۔ ہوگا کوئی بہاری۔''

عرفان نے کچھ نہیں سنا تھا یا شاید سن کر بھی نظر انداز کر گیا تھا۔ کیوں کہ غلطی اسی کی تھی۔ وہ ایک بس کو پکڑنے کے لئے ریڈ لائٹ پر تیزی سے دوڑ گیا تھا جو دوسری طرف رُکی تھی اور اسی بیچ وہ اس لڑکی کی کار سے ٹکراتے ٹکراتے بچ گیا۔ اس لڑکی نے کار آگے بڑھا دی اور عرفان پشیمان سا، بس میں سوار ہوگیا۔

جب گھر پہنچا تو اپنے دروازے پر ایک کار کھڑی پایا۔ اس نے نظر انداز کر دیا۔ وندنا کی زیادہ تر سہیلیوں کے پاس کاریں تھیں جو اُس سے ملنے آتی رہتی تھیں۔ اور اب وہ بھی کار خریدنے کی ضد احمر سے کر رہی ہے۔ احمر نے بھی کار خریدنے کے لئے خود کو تیار کر لیا ہے۔ اسے پارٹی کے کام سے چند دنوں میں ہی

بھوپال جانا ہے۔ وہاں سے لوٹنے کے بعد کار خریدے گا—— عرفان نے کال بیل دبایا۔ وندنا نے دروازہ کھولا اور مسکرا کر استقبال کیا۔ عرفان بھی زیر لب مسکرایا اور وش کرتا ہوا اپنے کمرہ کی جانب بڑھا۔ اس نے یہ بھی دیکھنا گوارہ نہ کیا کہ ڈرائنگ روم میں کون بیٹھا ہے۔ تبھی وندنا نے آواز دی——

''عرفان ادھر تو آؤ۔ اتنی بھی جلدی کیا ہے کہ طوفان کی طرح بھاگے جا رہے ہو۔''

عرفان پاس آگیا۔ اس نے ڈرائنگ روم میں بیٹھی لڑکی کو دیکھا اور شاید پہچاننے کی کوشش کرنے لگا کہ ابھی کچھ دیر قبل وہ شاید اسی کی کار کے نیچے آنے والا تھا۔ اس نے بھی عرفان کو پہچاننے کی کوشش کی۔

''عرفان ان سے ملو، میری سہیلی منجولا اور یہ ہیں عرفان احمد، میرے پتی کے دوست۔''

عرفان نے منجولا کو وش کیا اور وہیں بیٹھ گیا۔ وندنا نے اپنی بات آگے جاری رکھی۔

''عرفان یہ دوردرشن کے لئے سیریل بناتی ہیں اور منجولا عرفان کو بھی پروڈکشن میں دلچسپی ہے۔ پٹنہ دوردرشن کے لئے ایک دو چھوٹے پروگرام انہوں نے کئے ہیں۔''

وندنا نے تفصیل سے عرفان کا تعارف کرایا۔ منجولا نے عرفان کی طرف دیکھا——

''آپ یہاں بھی اپنا کام شروع کیوں نہیں کرتے؟''

''میں ابھی تک اس کے لئے سنجیدہ نہیں ہوا ہوں۔''

''اس میں سنجیدہ ہونے کی کیا بات ہے۔ آپ اسے ہی پروفیشن بنا لیجئے۔''

''اس سلسلے میں ابھی کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے۔''

''تو ابھی کر لیجئے۔ موقع اچھا ہے۔ نارتھ ایسٹ کے لئے دوردرشن میں پروپوزل جمع ہو رہے ہیں۔ آپ بھی کوئی پروپوزل ڈال دیجئے۔ احمر بھائی تو پارٹی کے لیڈر ہیں۔ سوچنا پرسارن منتری سے کہہ دیں گے تو فوراً پروپوزل پاس ہو جائے گا۔ میرا کام بھی تو احمر بھائی نے ہی کرایا تھا۔ ورنہ میں بھی ابھی سڑکوں پر خاک چھانتی پھرتی۔''

''منجولا ٹھیک کہہ رہی ہے۔ تم احمر سے بات کر کے کل ہی اس پر کارروائی شروع کر دو۔ اگر ایک سیریل بھی مل گیا تو پھر وارے نیارے ہو جائیں گے''—— وندنا نے بھی حامی بھری۔

''احمر کے آنے پر بات کرتا ہوں۔''

''آپ پارٹی کے ممبر ہیں؟''—— منجولا نے دریافت کیا۔

''جی نہیں۔''

''تو فوراً بن جایئے۔ کہنے کو ہوگا کہ یہ پارٹی کے ممبر ہیں اور ان کا سیریل پاس ہونا ضروری ہے۔''—— منجولا نے ایک اور گر بتایا۔

عرفان سوچنے لگا۔

''اس کے بارے میں بھی احمر سے بات کریں گے''—— اس بار وندنا نے جواب دیا۔

''آپ اتنے دن سے دلی میں کیا کر رہے تھے؟''—— منجولا کو تعجب ہوا۔

''سڑکوں کی خاک چھان رہا تھا''

''اب سڑکوں کی خاک چھاننا چھوڑیئے اور کچھ کیجئے۔ ورنہ زندگی کی دوڑ میں پیچھے رہ جایئے گا''—— منجولا اتنی جلدی کھل جائے گی عرفان کو یقین نہ تھا۔

''میں آپ کی باتوں پر عمل کروں گا۔''

''اچھا وندنا اب چلتی ہوں۔ پھر کسی دن آؤں گی۔''

''ارے اتنی جلدی کیا ہے۔ احمر کو آنے دو۔ ان سے بات بھی کر لینا۔''

''میں فون سے بات کرلوں گی۔''

''ٹھیک ہے۔''

''اچھا چلتی ہوں''—— منجولا تیزی سے باہر نکل گئی مگر جاتے ہوئے مسکرا کر عرفان کی طرف دیکھا تھا۔ حالانکہ عرفان اس کی مسکراہٹ کا اندازہ نہ لگا سکا اور اپنے کمرہ کی طرف بڑھ گیا۔ وندنا نے عرفان کو جاتے ہوئے دیکھا اور زیرلب مسکرائی جیسے وہ عرفان کو بہت بلندی پر دیکھنا چاہتی ہو——

○○

احمر کئی دنوں کے بعد گھر لوٹا تھا۔۔۔۔

ایک ماروتی زین اس کے ساتھ تھی۔ آج ہی اس نے خریدی تھی۔ وندنا ماروتی دیکھ کر باغ باغ ہوگئی جیسے اُسے اس دن کا برسوں سے انتظار تھا۔ اس نے عرفان کی موجودگی میں اسے بوسہ دے کر اپنی خوشی کا اظہار کیا۔ حالانکہ احمر اس کی اس ادا پر تھوڑا شرما سا گیا تھا۔ تینوں ڈرائنگ روم میں آکر بیٹھ گئے۔۔۔۔

''کہو عرفان کیسے ہو؟ اب تو تم نے اپنے آپ کو بہت حد تک بدل لیا ہے اور دلّی کے ماحول میں رچ بس گئے ہو۔ اب بتاؤ اپنی آنے والی زندگی کے بارے میں کیا فیصلہ کیا ہے؟''

''فیصلہ کیا کرنا ہے''۔۔۔۔ وندنا بیچ میں ہی ٹپک پڑی۔۔۔۔ ''بس اپنے آپ کو اسٹیبلش کرنے کے لئے کوئی اچھا کام شروع کرنا ہے اور میں سمجھتی ہوں کہ عرفان کو الیکٹرونک میڈیا کو ہی اپنا پروفیشن بنانا چاہئے کیوں کہ اس فلڈ میں ان کی دلچسپی بھی ہے اور اس میں پیسہ بھی ہے۔ چند روز پہلے منجولا آئی تھی۔ اس نے بھی ایڈوائز کیا تھا اور میں بھی یہی بہتر سمجھتی ہوں۔''

''لیکن اس میدان میں عرفان کو دشواری کا سامنا بھی کرنا پڑسکتا ہے۔''

''منجولا ہے نا۔ اس نے وعدہ کیا ہے کہ پروپوزل وہ جمع کروادے گی۔ نارتھ

ایسٹ پہ ابھی پروپوزل جمع ہورہا ہے۔ شاید اسی کے لئے وہ آپ سے ملنا چاہتی تھی۔''

''جب منجولا تیار ہے تو پھر دیر کس بات کی ہے۔۔۔۔ عرفان ایسا کرو تم آج ہی منجولا سے ملو اور اس سے مشورہ کرکے ایک پروپوزل ڈال دو۔ میں سوچنا پر سارن منتری سے مل کر تمہارا پروپوزل پاس کروانے کی کوشش کروں گا۔ اگر ایک بار چل گئے تو پھر تمہیں کوئی نہیں روک سکتا۔''

''بالکل! منجولا کو بھی تو آپ نے ہی اسٹینڈ کیا ہے!''

''تمہاری سہیلی ہے تو کرنا ہی پڑے گا۔''

''چائے لاؤں؟''۔۔۔۔ وندنا نے دریافت کیا۔

''ذرا فریش ہولوں۔ تب تک تم کچھ تیار کرو، بھوک لگی ہے۔''۔۔۔۔ احمر صوفے سے اٹھتا ہے۔

''تو میں چلتا ہوں''۔۔۔۔ عرفان مخاطب ہوا۔

''بالکل! تم ابھی نکل لو اور منجولا سے مل کر سارا کام آج ہی نپٹا لو۔ پھر شام میں ہم لوگ اس پر بات کریں گے۔''

''ٹھیک ہے''۔۔۔۔ عرفان باہر نکل گیا۔

وندنا نے پہلے احمر کو دیکھا پھر عرفان کو، مگر عرفان کو دیکھ کر وہ مسکرائی ضرور تھی۔ احمر شاید اس بات کو سمجھ نہ سکا۔ وہ تیزی سے باتھ روم کی طرف بڑھ گیا اور وندنا کچن میں داخل ہوگئی۔

○○

عرفان کافی دیر سے منجولا کے دروازے پر کال بیل بجا رہا تھا مگر ابھی تک دروازہ نہیں کھلا تھا۔ وہ جھنجھلا رہا تھا اور اب لوٹنا ہی چاہتا تھا کہ منجولا نے دروازہ کھولا۔ سامنے ایک خوبصورت وجود ایستادہ تھا۔

''عرفان صاحب آپ؟ ایم سوری۔ نہا رہی تھی دیر ہوگئی۔ خواہ مخواہ آپ کو انتظار کرنا پڑا۔ آیئے۔ آیئے نا''—— منجولا دروازے سے ہٹ گئی۔ عرفان اندر داخل ہوا اور صوفے پر بیٹھ گیا۔

''کیا ہے کہ ممی پاپا اور چھوٹی بہن کچھ دیر پہلے ہی گھر سے نکلی ہیں اور میں گھر پر اکیلی تھی۔ بیٹھیے چائے بناتی ہوں پھر بات کریں گے''—— منجولا نے بالوں کو جھٹکا دیا اور کچن میں داخل ہوگئی۔ عرفان نے گھر کا جائزہ لیا۔ اچھا خاصہ تھا۔ ضرورت کی تمام چیزیں موجود تھیں۔ گھر کو بہت خوبصورت ڈھنگ سے سجایا گیا تھا۔ کئی پینٹنگز ڈرائنگ روم میں آویزاں تھے۔ سامنے کلر ٹی وی رکھی تھی اور اس کے اوپر ایک مینٹل پیس تھا جس میں منجولا کی تصویر مسکرا رہی تھی۔ اس نے تصویر کو بغور دیکھا۔ خوبصورت ہے—— اس کے دل نے کہا۔ مگر اس خیال کو فوراً جھٹک دیا۔ منجولا چائے کا ٹرے میز پر رکھ کر سامنے کے صوفے پر بیٹھ گئی۔ اس کا چہرہ خاصہ کھلا کھلا لگ رہا تھا۔ وہ خوبصورت تو تھی ہی لیکن نہانے کے بعد ایسا لگ رہا تھا

جیسے گلاب کے پھول کو شبنم نے دھودیا ہے۔ عرفان نے ایک نظر اٹھا کر منجولا کو دیکھا اس نے کالے رنگ کا سوٹ پہن رکھا تھا۔ بار بار اس کا دوپٹہ سینے سے سرک جاتا اور وہ اسے ٹھیک کرنے سے پہلے عرفان کی طرف نظر اٹھا کر ضرور دیکھتی۔ عرفان بھی منجولا کو دیکھ کر محظوظ ہو رہا تھا۔ منجولا نے چائے کی پیالی عرفان کی طرف بڑھائی۔

''ہاں تو کہیے عرفان صاحب کیسے کشٹ کیا؟''

''میں بھی اپنا ایک پروپوزل دوردرشن میں جمع کرنا چاہتا ہوں اور اس کے لئے آپ سے مدد چاہتا ہوں۔''

''آف کورس، یہ بھی پوچھنے کی بات ہے۔ میں پروپوزل آج ہی تیار کروا دیتی ہوں مگر پہلے یہ طے کر لیجیے کہ کیا جمع کریں گے فکشن یا ڈوکومینٹری؟''

''میرے حساب سے فکشن ہی جمع کرنا چاہیے۔ فکشن میں ایک سہولت ہے کہ ایک ہی بار میں پوری شوٹنگ کی جا سکتی ہے۔''

''ہاں یہ تو ہے پھر کوئی فکشن بتایئے۔''

''آسام کے ایک فکشن رائٹر ہیں لکشمی نندن بورا۔ ان کا ایک ناول ہے ''پتال بھیروی'' اس پر کام کیا جا سکتا ہے۔''

''ٹھیک ہے تو اسی کو سامنے رکھ کر پروپوزل تیار کرتے ہیں۔ آپ جب تک کہانی کا سارانش لکھنے میں باقی ڈاکیومینٹس تیار کرتی ہوں۔''

''لیکن پہلے چائے تو پی لیجیے۔''

''ہاں بھول گئی''—— وہ چائے کی پیالی اٹھاتی ہے۔

عرفان نے چائے کی چسکی لیتے ہوئے منجولا کو دیکھا۔

منجولا کے سڈول اور بھرے بھرے جسم میں کوئی جادو بھرا تھا۔ اس کے تنفس

میں کسی ماہر جا بک دست سپیرے کی بین کی مست کر دینے والی آواز کا سحر ضرور تھا جس نے عرفان پر اپنا اثر چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔۔۔۔

''آپ کیا جمع کر رہی ہیں؟''۔۔۔۔ عرفان نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں، وہ مسکرا رہی تھی اور اس کے دانتوں کے آب دار موتیوں کی قطار چمک رہی تھی۔

''میں تو ڈاکومینٹری جمع کر رہی ہوں۔''

''چلئے ٹھیک ہے دونوں کا الگ الگ پروپوزل رہے گا۔''

''ہاں وہ تو ہے........ لیکن آپ نے یہ طے کیا ہے کہ کس نام سے پروپوزل جمع کریں گے؟''

''مطلب؟''

''مطلب آپ کے پروڈکشن کا نام کیا ہوگا اور پروڈیوسر یعنی آپ کا نام کیا ہوگا؟''

عرفان اس سوال پر چونک گیا اور ایک بار ماضی میں اس کا ذہن پرواز کر گیا۔ اگر اس نے عرفان کے نام سے کوئی بھی کام کیا تو وہ شک کے گھیرے میں آسکتا ہے کیوں کہ بہار کی پولس ابھی تک اسے تلاش کر رہی ہوگی۔ وہ کچھ دیر سوچنے لگا۔ پھر گویا ہوا۔

''ایسا ہے کہ نام اور پروڈکشن کے متعلق احمر سے مشورہ کرنے کے بعد طے کرلیں گے۔ آپ تمام کاغذات کا پروفورما بنا دیجئے میں اسی حساب سے کل ٹائپ کروا کر جمع کروا دوں گا۔''

''یہ بھی ٹھیک ہے۔''۔۔۔۔ منجولا اٹھتی ہے اور کمرے سے ایک فائل نکال کر لاتی ہے پھر تمام باتیں اسے سمجھا کر تمام کاغذات کی ایک ایک کاپی اس کے

حوالے کر دیتی ہے۔۔۔۔

''آپ اس کو سامنے رکھ کر سارے کاغذات تیار کریں گے۔ ٹھیک ہے؟''

''جی! اب میں چلوں؟''

''اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ کھانا کھا کر جائیے گا۔''

''نہیں پھر کسی دن کھالوں گا۔''

''لیکن کچھ دیر اور تو بیٹھ ہی سکتے ہیں''۔۔۔۔ منجولا نے مسکرا کر التجا کی۔ عرفان منجولا کی مسکراہٹ کو غور سے دیکھے جاتا۔ منجولا کے دانت جیسے موتیوں سے تراشے گئے ہیں۔

عرفان بھی چاہتا تھا کہ منجولا کے پاس کچھ دیر مزید بیٹھے اس میں عجیب کشش تھی جو اس کو ایک بار دیکھ لے کھنچتا چلا جائے۔ جادو تھا اس کے چہرے میں۔ عرفان کو لگا منجولا اپنے بس میں کرنے کے لئے جادو کی شعاعیں اپنی آنکھوں سے اس پر چھوڑ رہی ہیں اور وہ اس کا اسیر ہوتا جا رہا ہے۔ منجولا بہت خوش تھی۔

کچھ دیر تک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ منجولا عرفان کے بارے میں سب کچھ جان لینا چاہتی تھی مگر عرفان سب پر پردہ ڈال گیا تھا۔ اس نے صرف اتنا بتایا کہ۔۔۔۔ ''بی۔ اے کرنے کے بعد سیدھا یہاں چلا آیا کیوں کہ وہاں دور دور تک نوکری کے کوئی آثار نظر نہیں آرہے تھے۔ سوچا یہاں کوئی اچھا جوب مل جائے گا تو زندگی کی گاڑی پٹری پر آجائے گی۔''

''آپ نے صحیح وقت پر صحیح فیصلہ کیا۔ اگر آپ کا پروپوزل پاس ہوگیا تو پھر آپ کی زندگی ایک ڈگر پر چل پڑے گی۔ اس پروفیشن میں پیسہ بھی ہے اور شہرت بھی۔''

''دیکھئے اگر قسمت نے ساتھ دیا تو ضرور کامیابی ملے گی۔''

''کامیابی تو ضرور ملے گی کیوں کہ احمر بھائی آپ کے دوست ہے اور اگر وہ چاہ لیں گے تو ضرور پاس ہوجائے گا کیوں کہ ان کی پہنچ بہت دور تک ہے۔''

''اب تو یہ وقت ہی بتائے گا۔ اچھا چلتا ہوں۔ پروپوزل تیار کر کے پھر آپ سے ملتا ہوں۔ کیوں کہ جمع کرنے کے لئے آپ کو ساتھ چلنا پڑے گا۔''

''میں تو ہر قدم پر آپ کا ساتھ دینے کے لئے تیار ہوں۔''—— منجولا نے بڑے پیارے انداز میں یہ بات کہی تھی۔ عرفان نے منجولا کو دیکھا تھا۔ وہ مسکرا رہی تھی۔

''میں فون کروں گا کہ کب چلنا ہے۔''

''بالکل! مجھے آپ کے فون کا انتظار رہے گا۔''

عرفان دروازے سے نکل گیا۔ منجولا اسے دور تک جاتی ہوئی دیکھتی رہی جب تک وہ نظروں سے اوجھل نہ ہوگیا۔ پھر آپ ہی آپ مسکرائی اور دروازہ بند کرلیا۔

○○

سورج نے اپنے چہرے پر جب پردہ ڈال لیا تو تاریکی نے اپنا ڈیرا جمالیا۔ شاید اندھیرا اسی انتظار میں تھا کہ کب سورج روپوش ہو اور وہ اپنی حکومت قائم کرے۔ رات نے جب مکمل طور پر اپنی حکومت کا اعلان کردیا تو عرفان کو لگا کہ اب گھر لوٹنا چاہئے۔ کچھ ضروری کاغذات اس نے ٹائپ کروالیے تھے اور ایک دو جاننے والوں سے مشورہ بھی کرلیا تھا۔

جب وہ گھر میں داخل ہوا تو وندنا اور احمر ڈرائنگ روم میں بیٹھے ٹی وی پر کوئی فلم دیکھ رہے تھے۔

''آؤ عرفان! کہاں تک کام پہنچا؟''—— احمر نے دریافت کیا۔

''بہت حد تک کاغذات تیار کرلیے ہیں لیکن نام پر معاملہ آکر اٹک گیا ہے''—— عرفان تھکا تھکا سا لگ رہا تھا۔

''کس کا نام؟''—— احمر نے تعجب سے پوچھا۔

''میرا نام! تم تو جانتے ہو میں والمیکی ہوں۔''

''ارے اس پر تو میں نے غور ہی نہیں کیا۔ لیکن اس میں پریشانی کیا ہے۔ نام بدل دو۔ کوئی بھی فرضی نام رکھ لو۔''

''نام بدل دوں۔ اپنا اصل نام بدل دوں۔ نام ہی تو آدمی کی شناخت

ہے۔"

"لیکن جو نام بدنام ہو جائے وہ شناخت نہیں بن سکتا۔ اب سوچو اگر تم نے اپنے اصل نام سے کام شروع کیا تو یقیناً مصیبت میں پڑ جاؤ گے اور تمہارے ساتھ میں بھی —— یار نام بدل لینے میں کیا ہے۔ میڈیا لائین میں تو زیادہ تر لوگ اپنا نام بدل لیتے ہیں۔ دلیپ کمار سے لے کر مندا کنی تک! —— ویسے میں نے ہوم سکریٹری سے کہہ کر پٹنہ آئی۔ جی کو فون کروا دیا ہے کہ تمہارا کیس ختم کرا دیا جائے لیکن اس میں وقت لگے گا۔ اگر کیس ختم ہو جائے گا تو پھر تم اصل نام سے کام شروع کر دینا۔"

"یہ ٹھیک کہہ رہے ہیں۔ آپ جذبات میں کام خراب مت کیجئے۔ ایک اچھا موقع ہے۔ نام میں کیا رکھا ہے۔ اصل تو آدمی کا کام ہوتا ہے۔ اور وہ کام سے ہی جانا جاتا ہے۔" —— وندنا نے بھی احمر کی بات کی تائید کی۔

عرفان سوچنے لگا۔ میں اپنا اصل نام ختم کر دوں اور فرضی نام سے جانا جاؤں۔ وہ ذہنی طور پر اس کے لئے تیار نہ تھا مگر حالات کے آگے مجبور تھا لہذا وہ بولا ——

"ٹھیک ہے جب تم لوگوں کی یہی مرضی ہے تو میں اپنا نام بدل لیتا ہوں۔ اب بتاؤ کیا نام رکھوں" —— عرفان اندر سے ٹوٹ رہا تھا۔

"راجہ!" —— وندنا فوراً بولی —— یہ کامن نام ہے۔ اس سے نہ مسلمان کا پتہ چلتا ہے نہ ہندو کا۔"

"ہاں یہ ٹھیک ہے۔ تم اپنے پروڈکشن کا نام راجہ پروڈکشن رکھ دو۔"

"جیسی تم لوگوں کی مرضی۔ میں اسی نام سے پروپوزل جمع کر دوں گا۔" —— عرفان کی آواز میں تھوڑی سی لرزش تھی۔

"پروپوزل جمع کرنے کے بعد ڈیٹیل مجھے دے دینا۔ میں آگے کی کارروائی پر نظر رکھوں گا اور ہر حال میں تمہارا کام کرواؤں گا۔"

عرفان جانے کے لئے جیسے ہی مڑا۔ وندنا نے اسے روک لیا۔

"کھانا نہیں کھانا ہے؟"

"کھا کر آیا ہوں۔ اب طبیعت نہیں ہے۔"

عرفان اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ احمر کو احساس تھا کہ اسے اپنا نام بدلنے پر ملال ہے مگر کیا بھی کیا جا سکتا ہے۔ حالات اس کے مخالف ہیں۔ احمر پھر سے فلم دیکھنے میں کھو گیا ——

OO

وقار کی مصروفیت سے گھر والے پریشان تھے۔ چچا نورالدین ان دنوں کافی فکرمند نظر آرہے تھے۔ وہ چاہتے تھے وقار کہیں نوکری میں لگ جائے تو عافیہ سے اس کی شادی کر دیں۔ لیکن وقار اپنی دھن میں مگن ایک مہم میں لگا تھا۔ اس کی مصروفیت کے بارے میں کم وبیش عافیہ واقف تھی اس لئے وہ اپنے ابّو اور امّی کو وقتاً فوقتاً آگاہ کرتی رہتی۔ جبکہ وقار کو اس بات کی قطعی فکر نہ تھی کہ اس کے گھر والے اس کے بارے میں کیا سوچتے ہیں یا کیا چاہتے ہیں۔ وہ تو بس اپنی مہم میں لگا تھا اور اپنی زندگی اسی کے لئے گویا وقف کر دی تھی۔ گھر میں اکثر اس کے بارے میں باتیں ہوتیں۔

''مجھے لگتا ہے وقار کو اب روکنا چاہیے۔ اتنا وقت دینا مناسب نہیں۔'' —— نورالدین نے تشویش ظاہر کی۔

''لگا رہنے دیجئے۔ سیاست کر رہا ہے۔ شاید اسی میں اس کے کیریر کے لئے کوئی راستہ نکل آئے۔ اگر ایم۔ ایل۔ اے، ایم۔ پی کے لئے ٹکٹ مل گیا اور جیت گیا تو سارا معاملہ حل ہو جائے گا۔'' —— نعیمہ نے اپنی رائے ظاہر کی۔

''لیکن ممی وہ جو سیاست کر رہے ہیں خالص مسلمانوں کی سیاست کر رہے

ہیں جو خطرے سے خالی نہیں'' —— عافیہ نے بیچ میں کہا۔

''عافیہ ٹھیک کہتی ہے، اگر اسے سیاست سے دلچسپی ہے تو کسی سیاسی پارٹی سے منسلک ہو کر کام کرے، تو فائدہ بھی ہوگا۔ پارٹی پروٹکشن بھی رہے گی لیکن اس طرح کی سیاست سے تو دوسری پارٹی والے ناراض ہو کر اس کے لئے مصیبت کھڑی کر دیں گے۔'' —— نورالدین فکرمند نظر آرہے تھے۔

''لیکن انہیں سمجھائے کون'' —— عافیہ بولی —— ''میں تو سمجھا سمجھا کر تھک چکی ہوں۔ وہ میری بات کب مانتے ہیں۔ بس یہی کہتے ہیں کہ تم نہیں سمجھو گی میں مسلمانوں کو متحد کر رہا ہوں انہیں ان کے حقوق سے آگاہ کرا رہا ہوں۔ ان کے اندر بیداری لا رہا ہوں۔''

''بیٹی وہ سب ٹھیک ہے مگر یہ وہی کر سکتا ہے جو ہر طرح سے مضبوط ہو۔ پیسے سے، طاقت سے اور سیاست سے۔ خیر میں اسے منع نہیں کر سکتا۔ وہ بُرا مان جائے گا اور یہاں سے چلا جائے گا۔ عافیہ تم ہی کوشش کرو کہ وہ کوئی بھی قدم سوچ سمجھ کر اٹھائے'' —— نورالدین نے عافیہ کی طرف دیکھا۔

''ہاں بیٹی تم اسے اچھی طرح سمجھاؤ۔ شاید وہ تمہاری بات مان لے'' —— نعیمہ بھی فکرمند نظر آرہی تھیں۔

''امّی میں پوری کوشش کر رہی ہوں اور کرتی رہوں گی۔ وقار اس گھر کے ایک فرد ہیں اور ان کے بارے میں فکرمند ہونا لازمی ہے۔''

''اللہ اسے اچھا راستہ دکھائے'' —— نعیمہ نے دعا کی۔

تبھی وقار ڈرائنگ روم میں داخل ہوا اور سب کو سلام کرتا ہوا اپنے کمرہ کی طرف بڑھ گیا۔ عافیہ بھی اس کے پیچھے ہو لی۔

''کیا میں جان سکتی ہوں کہ جناب کل رات سے کہاں تھے؟ —— عافیہ

نے سوال داغ دیا۔

''عافیہ تم تو جانتی ہو کہ میں ایک مہم میں لگا ہوں۔ جہاں رات اور دن نہیں دیکھا جاتا۔ بس کام دیکھا جاتا ہے''——

''لیکن تمہیں یہ بھی خیال رکھنا چاہئے کہ تم ایک گھر میں رہتے ہو اور اس گھر کے لوگ تمہارے لئے فکر مند بھی رہتے ہیں۔ امی رات بھر نہیں سو سکیں اور ابو صبح سے تمہاری ہی باتیں کر رہے ہیں۔''

''میں جانتا ہوں چھوٹے ابو اور چھوٹی امی مجھے بے حد پیار کرتے ہیں اور مجھے بیٹے سے بڑھ کر چاہتے ہیں لیکن تم تو انہیں سمجھا سکتی ہو کہ میں کوئی غلط کام نہیں کر رہا ہوں بلکہ خدمت خلق کر رہا ہوں۔''

تمہارا یہ خدمت خلق کسی دن تمہیں کسی مصیبت میں ڈال دے گا۔ وقار میرا کہا مانو اگر تمہیں مسلمانوں کے لئے کچھ کرنا ہی ہے تو کوئی سیاسی پارٹی جوائین کرلو۔''

''میں بندش میں رہ کر کام نہیں کر سکتا۔ کسی بھی سیاسی پارٹی میں مکمل آزادی نہیں ہوتی۔ ہر کام کرنے کے لئے اپنے اوپر والوں سے مشورہ کرنا ہوتا ہے۔ یہاں تک کہ ایک اسٹیٹ منٹ بھی جاری کرنے سے پہلے اجازت لینا ہوتی ہے۔''—— وقار پھر ایک بار اپنا موقف واضح کرتا ہے۔

''ہر پارٹی میں ایسا نہیں ہے۔ کہیں کہیں تو بہت آزادی ہے۔ سفیر بھائی کو دیکھو کتنا آزادانہ طور پر کام کرتے ہیں۔''—— عافیہ وقار کو قائل کرنا چاہتی تھی۔

''لیکن میں مکمل آزادی چاہتا ہوں جہاں کوئی ٹوکنے والا یا بولنے والا نہ ہو۔''—— وقار اپنی ضد پر اڑا تھا۔

''ایک بات پوچھوں؟''

''ہاں پوچھو۔''—— عافیہ نے آج فیصلہ کر لیا تھا کہ وہ اپنے دل کی بات وقار سے کہہ دے گی۔

''کیا اس کام کے علاوہ تمہاری کوئی ذمہ داری نہیں ہے؟''

''ہے لیکن یہ ذمہ داری زیادہ اہم ہے۔''

''اور بھی کئی ذمہ داریاں اہم ہوتی ہیں۔''

''میں سمجھا نہیں۔''

''سمجھنے کی فرصت ہو تب نا—— کوئی تمہارے لئے اپنی پلکیں بچھائے رہتا ہے۔ انتظار کرتا ہے۔ تمہارے لئے فکر مند رہتا ہے۔''

''کون ہے وہ؟''

''میں!''

''عافیہ یہ کیا کہہ رہی ہو۔''

''سچ کہہ رہی ہوں وقار۔ تم نے کبھی میری آنکھوں میں جھانک کر دیکھا ہے جہاں تمہارے لئے بے پناہ پیار ٹھاٹھیں مار رہا ہے۔''

وقار حیرت سے عافیہ کو تکنے لگا، اسے توقع نہ تھی کہ عافیہ اس سے اتنا پیار کرتی ہے اور آج اس نے برملا اس کا اظہار بھی کر دیا۔ عافیہ نے مزید آگے بات جاری رکھا——

''تمہیں یقین آئے یا نہ آئے۔ میں ہمیشہ سے تمہیں چاہتی رہی ہوں اور چاہتی رہوں گی لیکن تم نے کبھی میری طرف پیار بھری ایک نظر بھی نہیں ڈالی۔ جبکہ میں نے تمہارے لئے اپنی کتنی راتیں قربان کی ہیں۔''

وقار نادم بھی تھا اور فکر مند بھی——

''عافیہ تم نے مجھے الجھن میں ڈال دیا۔ میں بھی تمہیں اس نگاہ سے نہیں

دیکھا۔ ہمیشہ ——''

''لیکن میں اپنے من مندر میں تمہاری ہی تصویر لگائے بیٹھی ہوں۔ تمہیں ہی اپنا ہم سفر قبول کر چکی ہوں'' —— عافیہ جذباتی ہوگئی۔

''عافیہ تم جانتی ہو کہ میں نے اپنی زندگی خدمت خلق کے لئے وقف کر دی ہے۔ جہاں پیار اور محبت کے لئے وقت نکالنا بہت مشکل ہے'' ——

''میں یہ تو نہیں کہوں گی کہ تم اپنا کام چھوڑ دو لیکن کچھ لمحات مجھے بھی بھیک دے دو تا کہ میں گھٹ گھٹ کر مرنے سے بچ جاؤں۔''

''عافیہ ایسی باتیں نہ کرو۔ تم نے آج جو انکشاف کیا ہے وہ میرے لئے لمحہ فکریہ ہے۔ میں اس پر سنجیدگی سے سوچ کر تمہیں جواب دوں گا، لیکن میں ایک بار پھر کہوں گا کہ مجھ دیوانے کے لئے اپنی زندگی برباد نہ کرو۔ شاید میں تمہیں وہ خوشی نہ دے پاؤں جس کی تم طلبگار ہو۔ پھر تم خوبصورت ہو، پڑھی لکھی اور باشعور ہو۔ تمہیں ایک سے ایک اچھا لڑکا مل جائے گا۔'' —— وقار اسے حقیقت سے آشنا کرانا چاہتا ہے۔

''لیکن تم نہیں مل سکتے۔ وقار میں نے تمہیں چاہا ہے میں کسی اور کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔''

''عافیہ وہ تو ٹھیک ہے لیکن تم جانتی ہو کہ میں بے روزگار ہوں۔''

''میں تمہارے ساتھ ہر حال میں خوش رہوں گی۔ تم پڑھے لکھے ہو۔ کوشش کرو تو کہیں نہ کہیں نوکری ضرور مل جائے گی۔''

''لیکن میں فی الحال نوکری کرنا نہیں چاہتا۔ میری زندگی کا واحد مقصد ہے خدمت خلق۔ اور میں اس راہ پر چل نکلا ہوں۔ عافیہ میں تمہارے جذبات کی قدر کرتا ہوں کہ تم نے مجھے اس قابل سمجھا لیکن میں فی الحال شادی نہیں کر سکتا۔ تم یہ نہ

سمجھنا کہ میں تمہیں پسند نہیں کرتا۔ تم خوبصورت، پڑھی لکھی اور سمجھدار ہو اور کوئی بھی لڑکا تم سے شادی کر کے خوش رہے گا لیکن مجھے کچھ وقت دو۔ اگر ایک حد تک میں اپنے مقصد میں کامیاب ہوگیا تو میں تم سے شادی کرلوں گا۔ یہ میرا وعدہ ہے۔''

''میں تمہارا انتظار کروں گی'' —— عافیہ کمرے سے نکل گئی اور وقار اسے تشویش بھری نظروں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا——''

○○

شہر کی تیز رفتار ترقی میں روز بروز اضافہ ہوتا جا رہا تھا۔ ہر آدمی اپنے کام میں منہمک تھا۔ وندنا، احمر اور عرفان ڈرائنگ روم میں بیٹھے کسی موضوع پر بات کر رہے تھے کہ منجولا ڈرائنگ روم میں داخل ہوئی اور آتے ہی اس خوشخبری کا اعلان کیا——

''عرفان مبارک ہو تمہارا سیریل پاس ہوگیا''——وہ صوفے پر بیٹھ گئی۔

''مبارک ہو عرفان!''——احمر نے ہاتھ بڑھایا۔ عرفان نے مسکرا کر ہاتھ ملایا۔

''کتنے اے پی سوڈس ہیں منجولا؟''——وندنا نے جاننا چاہا۔

''۲۶/اپی سوڈس ہیں۔''

''واہ یہ تو اچھی بات ہے۔''

''اور منجولا تمہارا؟''——عرفان نے پوچھا

''۱۳/اپی سوڈ۔''

''چلو کچھ تو ملا نا!''——احمر نے تسلی دی۔

''ہاں کم اور زیادہ تو ادھیکاریوں پر ڈیپنڈ کرتا ہے۔ چلو جو ملا وہی صحیح''——

منجولا نے اسی پر اکتفا کر لیا۔

''منجولا اب کیا کرنا ہے؟''——عرفان نے جاننا چاہا۔

''مکمل اسکرپٹ جمع کر کے فوری پرسنٹ کا چیک لے لو اور شوٹنگ شروع کردو۔''

''میں کل ہی سے لگ جاتا ہوں۔''

''بس لگ جاؤ تاکہ جلد کام شروع ہو جائے''——منجولا نے اپنی خوبصورت پلکیں جھپکائیں۔

''لیکن شوٹنگ میں تو تمہیں رہنا پڑے گا۔''

''بالکل رہوں گی۔ میں چاہتی ہوں کہ میں اپنا کام پہلے ختم کرلوں کیوں کہ کم اے پی سوڈ ہیں۔ تم میرا ساتھ دو میں تمہارا ساتھ دوں گی۔''

''لیکن میں چاہتی ہوں کہ یہ ساتھ ہمیشہ برقرار رہے۔''——وندنا نے چٹکی لی۔

''کیا مطلب؟''——احمر نے جاننا چاہا۔

''میرا مطلب ہے کہ دونوں ایک پروفیشن میں ہیں۔ دوست ہیں۔ ایک دوسرے کو اچھی طرح جانتے ہیں اس لئے شادی کرلیں تو زندگی مکمل ہو جائے گی''——وندنا نے اپنا منشا ظاہر کردیا۔

''ارے ہاں میں نے تو اس بارے میں کبھی سوچا بھی نہیں۔ یہ تجویز تو اچھی ہے۔ دونوں کی جوڑی خوب رہے گی۔''

''میں چلتی ہوں''——منجولا نے شرماتے ہوئے اٹھنے کی کوشش کی مگر وندنا نے ہاتھ پکڑ لیا۔

''ارے بیٹھو تو۔ اب تو تم میری دیورانی ہو جاؤ گی——''وندنا نے مزید

چھیڑا۔ منجولا اور بھی شرما گئی اور تیزی سے دروازے سے نکل گئی۔ سبھی لوگ اسے جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔

''کیوں عرفان کیا خیال ہے تمہارا؟''—— وندنا نے عرفان کی رائے جاننی چاہی۔ عرفان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ وہ کیا جواب دے۔

''خیال ٹھیک ہے۔ عرفان کو اور کیا چاہئے۔ پڑھی لکھی لڑکی ہے۔ سمجھدار ہے۔ ایک ہی پروفیشن میں ہے۔ زندگی کامیاب ہو جائے گی''—— احمر نے بھی اپنی پسند ظاہر کر دی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن——؟'' عرفان رُک گیا۔

''لیکن کیا؟—— وندنا نے پوچھا۔

''وہ کیا ہے کہ—— ''عرفان وندنا کی موجودگی میں بولنا نہیں چاہ رہا تھا۔

''میں سمجھ گئی، تمہارا مطلب ہے کہ وہ ہندو ہے۔ عرفان تم بھی کس جگ کی بات کر رہے ہو۔ پڑھ لکھ کر بھی بیک ورڈ خیال رکھتے ہو۔ آج ذات پات مذہب کوئی معنی نہیں رکھتے۔ کتنی شادیاں روز ہو رہی ہیں اور کامیاب ہیں۔ مجھے دیکھو۔ کیا میں اور احمر خوش نہیں ہیں۔ دونوں ایک اچھے پتی پتنی بن کر رہ رہے ہیں''—— وندنا نے اپنی زندگی کی مثال دی۔

''وہ تو ٹھیک ہے لیکن سماج ؟—— سماج کیا کہے گا''—— عرفان نے سوال کیا۔

''عرفان تم کس سماج کی بات کر رہے ہو؟''—— اب احمر نے کمان سنبھالی—— ''جس سماج کے لئے تم کل لڑ رہے تھے۔ جس کی وجہ کر تم نے اپنا سب کچھ کھو دیا۔ اس سماج نے کبھی تمہاری پروا کی۔ کوئی تمہاری مزاج پرسی کے لئے بھی نہیں آیا۔ یہ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی کہ تم کس حال میں ہو۔ زندہ بھی

ہو یا مر گئے۔ وہ تو تم نے عقلمندی کا کام کیا کہ میرے پاس چلے آئے ورنہ اب تک پولس کے ہتھے چڑھ گئے ہوتے اور جیل کی صعوبتیں جھیل رہے ہوتے۔ اور اس وقت بھی کوئی تمہارا پرسان حال نہیں ہوتا کیوں کہ لوگ تمہیں ہی مجرم گردانتے۔''

''تمہارا کہنا درست ہے لیکن اپنی بھی تو کوئی شناخت ہے اور میں وہ شناخت ختم نہیں کرنا چاہتا''—— عرفان کے اندر ایک بار پھر پرانا جذبہ ابھر آیا۔

''منجولا سے شادی کرنے سے تم کہاں ہندو بن جاؤ گے اور ویسے بھی پڑھا لکھا طبقہ خود کو اپ ٹو ڈیٹ کہتا ہے۔ مذہب سے دور ہوتا جا رہا ہے۔ چلو اسی دلّی میں تم کو سینکڑوں مسلمانوں سے ملواتا ہوں جو جمعہ کی نماز بھی نہیں پڑھتے۔ کبھی روزہ نہیں رکھتے۔ اگر ان کے گھر رمضان میں تم چلے جاؤ تو تمہیں پانی کے ساتھ چائے پیش کی جائے گی۔ وہ یہ بھی بھول جاتے ہیں کہ جو ان کے گھر آیا ہے اس نے تو روزہ رکھا ہوگا—— تم کس سماج کی بات کر رہے ہو؟ کس معاشرے کی بات کر رہے ہو؟ اس کھوکھلے سماج کی جو اپنے لئے سارے راستے ہموار رکھتے ہیں اور دوسروں پر انگشت نمائی کرتے ہیں؟ تم ان کے قریب جا کر دیکھو گے تو ان کی اصلیت کا اندازہ ہوگا—— اور پھر منجولا تمہارے مذہب میں دخل انداز نہیں ہوگی تم جیسے جینا چاہو جی سکتے ہو''—— احمر نے عرفان کو رام کرنے کی کوشش کی۔

''پھر بھی مجھے سوچنے کا موقع دو۔ یہ زندگی کا اہم فیصلہ ہے۔ سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہتا ہوں۔''

''بالکل سوچ لو، بلکہ ہر پہلو پر غور کر لو۔ شادی تو کسی نہ کسی لڑکی سے کرنی ہی ہے۔ اگر منجولا سے کروگے تو تمہارے لئے زیادہ سود مند ثابت ہوگی''—— احمر نے پھر دباؤ ڈالا۔

''ویسے بھی منجولا تمہیں چاہتی ہے اور اپنی پسند کا اظہار مجھ سے کئی بار کر چکی

ہے۔ ہمیشہ تمہاری تعریف کرتی رہتی ہے۔ اور میں سمجھتی ہوں کہ ایسی پیار کرنے والی بیوی تمہیں دوسری نہیں ملے گی۔''—— وندنا نے ایک اور تیر چھوڑا۔

''ٹھیک ہے۔ تم لوگوں کی باتوں سے مجھے قطعی اعتراض یا اختلاف نہیں ہے۔ منجولا ہر لحاظ سے مناسب ہے لیکن یہ زندگی کا فیصلہ ہے۔ اس لئے سوچ سمجھ کر قدم اٹھانا چاہتا ہوں''—— عرفان نے ایک طرح سے ان کی باتوں کا اعتراف کرلیا۔

''لیکن شادی تو میں اسی گھر سے کروں گی''—— وندنا نے جیسے سارا پروگرام پہلے ہی سے طے کررکھا تھا''—— بہت دن سے اس گھر میں شہنائی نہیں بجی ہے اور پھر عرفان پر ہمارا پورا حق ہے''—— وندنا بے حد خوش تھی۔

''بالکل! میں نے اسے کبھی پرایا نہیں سمجھا۔ میں نے کبھی اسے دوست نہیں بلکہ بھائی سمجھا۔ اس لئے اس خوشی کو تو ہم لوگ مل کر شیئر کریں گے اور پھر عرفان کا ہم لوگوں کے علاوہ ہے کون؟''—— احمر نے بھی خوشی کا اظہار کیا۔

'تم لوگوں نے بالکل درست فرمایا۔ شادی خواہ کہیں بھی ہو۔ تم لوگوں کی سرپرستی میں ہوگی اور اسی گھر سے ہوگی یہ میرا وعدہ ہے—— ابھی تو چلتا ہوں۔ اسکرپٹ کی تیاری کرنی ہے تاکہ جلد یہ کام انجام دے سکوں—— ''عرفان اٹھ کر اپنے کمرے کی طرف چلا گیا۔ وندنا اور احمر اسے مسکراتے ہوئے دیکھتے رہے۔

○ ○

وقار کی مصروفیت بہت بڑھ گئی تھی۔ ایک وسیع حلقہ اس کی باتوں سے متفق ہو گیا تھا اور کسی نہ کسی طور پر تعاون دے رہا تھا۔ وقار اپنی تنظیم کے ذریعہ پسماندہ مسلم علاقے میں کیمپ لگا کران کا چیک اپ کراتا اور دوائیں دلواتا۔ اس کے لئے اس نے شہر کے کئی ڈاکٹروں کا تعاون حاصل کیا تھا۔ کئی میڈیکل اسٹور نے دوائیاں بھی مفت فراہم کرادی تھیں—— اس نے شہر کے تمام مسلمانوں کے اعداد وشمار کی فہرست تیار کرلی تھی اور غرباء کے لئے مالی تعاون کا بیڑا اٹھایا تھا۔ وہ دوسرے لوگوں سے امداد لے کر ضرورت مند حضرات تک پہنچاتا۔ طالب علموں کے لئے مفت کوچنگ کلاسیز شروع کرایا تھا اور مقابلہ جاتی امتحان کی تیاری کرنے والے طلباء کے لئے ضروری کتابیں بھی مہیا کرارہا تھا۔ اس طرح اس کی تنظیم کو دھیرے دھیرے کامیابی اور مقبولیت مل رہی تھی۔ اس کی کارکردگی کو شہر کے ایک بڑے حلقہ میں عزت کی نگاہ سے دیکھا جارہا تھا——''

وقار اپنے کام کو اب آس پاس کے گاؤں اور شہروں تک لے جانا چاہتا تھا مگر اس کے لئے اسے خاصی رقم کی ضرورت تھی۔ وہ ابھی اس پر سنجیدگی سے غور کررہی رہا تھا کہ ایک دن اخبار میں عرفان کا انٹرویو دیکھ کر چونک گیا......'

''بلندا! یہ آج کا فلمی ایڈیشن تم نے دیکھا ہے؟''—— وقار نے حیرت سے پوچھا۔

''ہاں دیکھا تو ہے۔ کوئی خاص بات؟''

''یہ انٹرویو، یہ تو اپنا عرفان ہے۔ تصویر دیکھو''—— وقار خوش تھا۔

''لیکن نام تو راجیہ چھپا ہے۔ کوئی دوسرا بھی تو ہو سکتا ہے۔''

''نہیں میں وثوق کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ یہ عرفان ہی ہے۔ فلموں میں اکثر لوگ فرضی نام رکھ لیتے ہیں۔ اس نے بھی رکھ لیا ہوگا۔ میں تو دوردرشن پر اس کا سیریل بڑے شوق سے دیکھتا ہوں۔ لیکن کیا پتہ تھا کہ راجیہ دراصل عرفان ہی ہے۔''

''لیکن یہ راجیہ ہو یا عرفان۔ ہمیں کیا فرق پڑتا ہے۔''

''ارے یہ اپنا پرانا دوست ہے۔ اب یہ بڑا پروڈیوسر بن گیا ہے۔ ہم اس سے اپنی تنظیم کے لئے خاصی رقم حاصل کر سکتے ہیں۔ بڑا قوم پرست ہے اپنا عرفان۔ گاؤں کو بچانے کے لئے اپنا سب کچھ قربان کر دیا تھا۔ اس لئے اسے بہار بھی چھوڑنا پڑا۔ لیکن اچھا ہی کیا، یہاں رہتا تو شاید اتنی ترقی نہ کرتا۔''

''وقار! دلی اور ممبئی جا کر لوگوں کا ذہن بھی بدل جاتا ہے۔ مجھے نہیں لگتا یہ تمہاری مدد کرے گا کیوں کہ وہاں رہنے والے اکثر لوگ مفاد پرست ہوتے ہیں۔ وہ تمہیں روپیہ دینے سے پہلے یہ ضرور سوچیں گے اس سے ان کا کیا فائدہ ہوگا۔''

''نہیں ہمارا عرفان نہیں بدل سکتا۔ وہ انسان دوست، ہمدرد اور قوم پرست ہے۔ میں دلی جا کر اس سے ملوں گا اور بتاؤں گا کہ تم نے جو چراغ روشن کیا تھا اب اس کی روشنی سارے شہر میں پھیل رہی ہے اور اگر تم نے مالی تعاون کیا تو ہم دوسرے شہروں کے اندھیرے بھی اس روشنی سے دور کریں گے۔''

''وقار میں تمہیں نہیں روکوں گا کیوں کہ میں بھی چاہتا ہوں کہ ہماری تنظیم خوب پھلے پھولے اور آنے والے وقتوں میں یہ ایک تحریک بن جائے اور اس کے لئے جہاں سے بھی جائز طریقے سے مدد ملے ہمیں کوشش کرنی چاہئے۔ کب تک جاؤ گے دلی؟''

''دو تین دن کے اندر نکل جاتا ہوں۔ کیوں کہ اگلے ہفتے جو میٹنگ ہونی ہے اس میں میرا رہنا ضروری ہے۔ یہ ایک اہم میٹنگ ہے۔''

''ٹھیک ہے تو آج ہی جا کر برتھ ریزرو کرا لو۔''

''بس نکل رہا ہوں''—— اور وقار تیزی سے دفتر سے نکل گیا۔

دلی آنے کے بعد وقار کو کئی دنوں تک عرفان کا انتظار کرنا پڑا کیوں کہ وہ شوٹنگ کے لئے شملہ گیا ہوا تھا۔ چوتھے دن وہ لوٹا—— وقار صبح سویرے اس کے گھر پہنچ گیا۔ دروازہ عرفان نے کھولا۔ دونوں نے ایک دوسرے کو دیکھا——

''عرفان میں وقار''—— عرفان نے یاد دلایا۔

''آؤ یار اندر آؤ۔ میں تمہیں کیسے بھول سکتا ہوں۔''—— عرفان نے اسے ڈرائنگ روم میں بٹھایا۔ وہاں پہلے سے منجولا بیٹھی تھی۔ شاید دونوں آگے کے پروگرام کے بارے میں اظہار خیال کر رہے تھے۔

''منجولا، یہ میرے دوست وقار احمد اور یہ منجولا۔ ہم لوگ ایک ساتھ کام کرتے ہیں۔''—— عرفان نے تعارف کرایا۔ منجولا نے مسکرا کر نمستے کیا۔ وقار وش کر کے خاموش ہو گیا۔

''وقار معذرت کے ساتھ۔ ہم لوگ ذرا سا یہ کام نپٹا لیں پھر تفصیل سے باتیں کریں گے۔ تب تک چائے پیتے ہیں''—— اس نے نوکر کو چائے کے لئے

کہہ دیا۔ یہ گھر کچھ دن قبل ہی عرفان نے خریدا تھا۔ بڑا سا فلیٹ تھا۔ آگے باغیچہ اور پورٹیکو میں ایک ماتیز کار کھڑی تھی۔ عرفان اتنی جلدی اتنا امیر بن جائے گا، وقار کے وہم وگمان میں بھی نہ تھا۔ نوکر چائے اور بسکٹ لگا کر چلا گیا۔

''وقار لو، کچھ کھالو۔ ہم لوگ ابھی کھا کر بیٹھے ہیں پھر اطمینان سے ناشتہ کریں گے''۔ —— عرفان نے ایک کپ چائے منجولا کی طرف بڑھایا اور دوسرا کپ اٹھا کر ہونٹوں سے لگایا۔

''عرفان صفدر والے کردار کے لئے پربھات کو ہم لوگ لے سکتے ہیں۔ تم تو پربھات سے مل بھی چکے ہو۔''

''ہاں ملا تو ہوں لیکن اس کی زبان ٹھیک نہیں ہے۔ مکالمے ٹھیک سے ادا نہیں کرتا۔''

''عرفان زبان کون دیکھتا ہے۔ فلموں میں دیکھو نا، کتنے سنگر صحیح الفاظ کی ادائیگی کر پاتے ہیں، خطا کو کھتا کہہ رہے ہیں اور نظر کو نجر کہہ رہے ہیں۔''

''ٹھیک ہے جب تم کہہ رہی ہو تو سائن کر لیتے ہیں لیکن میں زیادہ پیسے نہیں دے سکتا۔''

''اس کے لئے تم بے فکر رہو۔ کم سے کم میں ہم اس سے کام کروالیں گے۔''

''پھر تو ٹھیک ہے۔ تم بات کرلو۔''

''اور رابعہ کے لئے؟''

''صنم کو لے لیتے ہیں۔''

''انجلا بھی ٹھیک رہے گی۔ وہ صنم سے اچھی ایکٹنگ کرتی ہے۔''

''صنم خوبصورت بھی تو ہے۔''

''ہے لیکن اوور ایکٹنگ کرتی ہے۔''

''تم دونوں میں سے کسی سے بھی بات کر کے آج ہی فائنل کرلو۔ ۲۵ تاریخ سے ہر حال میں شوٹنگ شروع ہوجانی چاہئے۔ یہ دوردرشن کا معاملہ نہیں ہے بلکہ اسٹار پلس کا معاملہ ہے۔ ان کو کام بھی اچھا چاہئے اور وقت پر بھی۔''

''تم بے فکر رہو سارا کام وقت پر ہو جائے گا۔ میں چلتی ہوں۔ ان تمام لوگوں سے باتیں کر کے شام کو فون کروں گی۔ جب تک تم اپنے دوست سے باتیں کرو۔ اگر ممکن ہوا تو رات میں آ کر پوری تفصیل بتادوں گی نہیں تو پھر کل صبح۔ اوکے۔''

''اوکے'' —— منجولا نکل گئی۔

''ہاں تو کہو وقار اور سب کیسا ہے؟''

''سب ٹھیک ہے۔ سارے لوگ اچھے ہیں۔''

''گاؤں گئے تھے۔؟''

''ادھر تین مہینے سے نہیں گیا۔ لیکن سب کی خیریت ملتی رہتی ہے۔ مسیح احمد پرائمری ٹیچر میں بحال ہوگیا ہے۔''

''اور عمر............؟''

''ابھی تو اس کی نوکری نہیں ہوئی ہے۔ گاؤں والوں کی مدد سے ایک ہائی اسکول کھول دیا گیا ہے جہاں لڑکے لڑکیاں پڑھتی ہیں۔ عمر اسکول میں پڑھاتا ہے۔ اور ایس۔ ٹی۔ ڈی (S.T.D) کی دکان کھول رکھی ہے۔ اقبال کا ایک ناول چھپ کر آیا ہے جسے گاؤں والوں کو دکھاتا پھر رہا ہے۔ وہ چاہتا ہے کہ اس پر فلم یا سیریل بن جائے۔ پچھلے دنوں اس سے ملاقات ہوئی تھی کہہ رہا تھا ممبئی جاؤں گا۔''

''حمید چاچا؟''

''ان کا تو انتقال ہوگیا۔''

''انا للہ وانا الیہ راجعون۔''

''عرفان تمہارا گھر اب کھنڈر بن گیا ہے۔ پچھلی برسات میں بچی کھچی دیواریں بھی گر گئیں۔''

''کیا پولس اب بھی آتی ہے؟''

''نہیں اسے یقین ہے کہ یا تو تم مارے گئے یا دوسرے ملک کوچ کر گئے۔ لیکن مجھے شک ہے کہ تمہارے انٹرویو سے ایک بار پھر پولس فعال نہ ہو جائے۔''

''اب ایسا نہیں ہوگا۔ میں نے تمام کیس ہی ختم کروا دیے ہیں۔ اب پولس کے ریکارڈ میں میرا کوئی کیس نہیں ہے اور نہ ہی نام ہے۔''

''تو پھر ایک بار گاؤں آکر اپنا گھر مرمت کروالو یا کسی اچھے کام کے لئے وقف کردو۔ نہیں تو ایک دن وہ میدان میں تبدیل ہو جائے گا۔''

''میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ احمر سے مشورہ کر کے کچھ کروں گا۔''

''کیا گاؤں اب کبھی نہیں لوٹو گے؟''

''فی الحال تو ممکن نہیں ہے۔ یہاں پر اپنا پروڈکشن ہے۔ سب کچھ ہے۔ وہاں جا کر کیا کروں گا۔''

''یعنی اپنی زمین سے بالکل کٹ کر رہ جاؤ گے۔''

''جہاں رزق ملتا ہے وہیں اپنی زمین بن جاتی ہے۔''

''پھر بھی وہاں سے تمہاری بہت ساری یادیں وابستہ ہیں۔''

''ساری یادیں ماضی کی قبر میں دفن ہو گئی ہیں۔ وقار اب میں پیچھے مڑ کر دیکھنا نہیں چاہتا۔ بس آگے دیکھنا چاہتا ہوں۔ اور آگے میرا مستقبل تابناک ہے۔''

''اگر میرا قیاس غلط نہیں ہے تو تم شادی بھی منجولا سے کرنے والے ہو۔''

''بالکل ٹھیک اندازہ لگایا ہے، کیوں کہ وہ خوبصورت ہے، سمجھدار ہے اور

میرے پروفیشن سے جڑی ہے۔ خیر چھوڑو ان باتوں کو، یہ بتاؤ تم دلی گھومنے آئے ہو یا کسی مقصد سے آئے ہو؟''

''اک مقصد کے تحت آیا ہوں۔''

''تو بیان کرو۔''

''تمہارے آنے کے بعد میں نے شدت سے محسوس کیا کہ مسلمانوں کو بیدار کرنے کے لئے ایک تنظیم بنائی جائے۔ اور میں نے کئی مسلم نوجوانوں کو ساتھ لے کر ایک تنظیم کی بنیاد ڈالی جو آج ترقی کی راہ پر گامزن ہے۔ مسلمانوں کا ایک بڑا حصہ اس تنظیم سے مستفیض ہو رہا ہے۔ ان میں سیاسی بیداری بھی آرہی ہے۔ فلاح کا کام ہو رہا ہے اور نوجوانوں کو ایک راہ دکھائی جا رہی ہے۔''

عرفان نے وقار کو دیکھا۔ اس نے اتنا سب کچھ تنہا کیسے کر لیا؟——بغیر کسی مدد کے۔ اسے یقین نہیں آرہا تھا۔ وقار کو یقین تھا کہ عرفان یہ سب سن کر بہت خوش ہوگا مگر اس نے بجائے خوشی کے اظہار کے اپنی ناپسندیدگی ظاہر کی——

''وقار تم نے غلط راستہ اختیار کیا ہے۔''

''عرفان! یہ تم کیہ رہے ہو؟''——وقار حیران رہ گیا۔

''ہاں ابھی کے حالات میں مسلمانوں کو ابن الوقت بننا چاہئے۔ ہوا جس رخ بہے ادھر ہی بہنا چاہئے۔ نہیں تو ہوا کے تھپیڑوں سے وجود زخمی ہو جائے گا۔ میرے اندر بھی بہت جوش تھا، ولولہ تھا۔ مسلمانوں کے لئے بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر جو کچھ میرے ساتھ ہوا کیا میں خود اس کا ذمہ دار تھا اور میرے زخموں پر کتنے لوگ مرہم رکھنے آئے۔ کون مسلم لیڈر میرے آنسو پوچھنے آیا۔ کس نے میری مدد کی؟ کس کو فکر تھی کہ میرا کیا ہوگا؟—— میں زندہ بھی ہوں یا مر گیا۔ کوئی کسی کی مدد نہیں کرتا دوست۔ یہاں سب کچھ اپنے بل بوتے پر کرنا پڑتا ہے۔ کل کو اگر تم

بھی کسی مصیبت میں پڑ جاؤ گے تو سب دامن جھاڑ کر نکل جائیں گے۔ لوگ تمہیں پہچاننے سے بھی انکار کردیں گے۔ اس لئے میرا کہا مانو۔ یہ سب چھوڑ کر کوئی اچھا جوب تلاش کرو۔ اگر بہار میں نہیں ملتا ہے تو میرے پاس آجاؤ میں کوئی معقول انتظام کردوں گا مگر یہ دیوانگی چھوڑ دو۔"

"عرفان یہ تم کہہ رہے ہو؟ تم اتنے بدل سکتے ہو یہ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا۔"

"وقت اور حالات سب کو بدل دیتا ہے دوست۔ اور جو نہیں بدلتا وہ ٹوٹ جاتا ہے۔ اس قدر ٹوٹ جاتا ہے کہ اس کی شناخت بھی باقی نہیں رہتی۔"

"عرفان مجھے تم سے ایسی امید نہیں تھی۔ میں بڑی امیدیں لے کر آیا تھا کہ تم ہماری تنظیم کی مدد کروگے میرے اس کام پر خوش ہوگے اور مجھے مبارک باد دوگے۔"

"وقار میں تمہاری مدد کرسکتا ہوں۔ لاکھ دو لاکھ جتنا چاہو تم لے جاؤ اور اس سے تم اپنا کیریر بناؤ۔ لیکن تنظیم چلانے کے لئے تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتا کیوں کہ میں جانتا ہوں اس تنظیم کے ذریعہ تم اپنی زندگی تاریک کر رہے ہو اور میں کبھی نہیں چاہوں گا کہ تمہارے جیسا جینوین لڑکا اس طرح برباد ہوجائے۔"

"تعجب ہے دوست۔ تمہارے اندر اتنی تبدیلی آگئی ہے۔ مانا کہ تم حالات کے ستائے ہوئے تھے لیکن اس نہج تک پہنچ جاؤ گے کہ تم فرقہ پرستی کی گود میں جاکر بیٹھ جاؤ گے، ایک ہندو لڑکی سے شادی کرنے پر آمادہ ہوجاؤ گے، اور مسلمانوں کی فلاح کے لئے کئے گئے کام کی مخالفت کروگے۔"

"دوست جب ٹھوکر لگتی ہے تب آدمی کو اپنی غلطی کا احساس ہوتا ہے۔ تمہارے گھر کا کوئی فرد مرا نہیں۔ تمہارے اندر بدلے کی چنگاری نہیں پھوٹی ہے

اور تم نے انتقام میں کوئی ایسا قدم نہیں اٹھایا ہے جس سے تمہاری زندگی برباد ہوجائے۔ تمہارا مستقبل تاریک ہوجائے۔"

"لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ہم دشمنوں کے گھروں میں پناہ لے لیں۔ فرقہ پرست طاقتیں یہی تو چاہتی ہیں کہ وہ ہمیں اتنا توڑ دیں کہ ہم ان کی پناہ میں آجائیں کیوں کہ وہ برسر اقتدار ہیں اور وہ جسے چاہیں پریشان کرسکتی ہیں اور جسے چاہیں پناہ دے سکتی ہیں۔"

"وقار تمہاری سمجھ میں ہماری بات ابھی نہیں آئے گی لیکن جب کسی مصیبت کے وقت ہماری ضرورت پڑے ضرور یاد کر لینا ہمیشہ کام آؤں گا۔"

"عرفان میں ابھی ٹوٹا نہیں ہوں اور اگر ٹوٹ بھی گیا تو تمہاری مدد نہیں لوں گا کیوں کہ تمہاری باتوں سے فرقہ پرستی کی بو آتی ہے۔"

"ٹھیک ہے بھائی نہیں لینا۔ چلو ناشتہ کرتے ہیں اور دلی کی سیر کرتے ہیں۔"

"نہیں عرفان میں یہاں سیر و تفریح کے لئے نہیں آیا ہوں۔ ایک مقصد کے تحت آیا تھا جو فوت ہوگیا۔ میں کل ہی واپس جا رہا ہوں۔"

"اتنی جلدی بھی کیا ہے۔ ایک دو دن تو رک جاؤ۔"

"نہیں، وہاں بہت کام پھیلا ہے۔"

"اس کا مطلب تم میری باتوں سے ناراض ہو۔"

"نہیں دوست دراصل یہاں دو نظریے کا ٹکراؤ ہوگیا ہے۔ میں یہ سوچ کر آیا تھا کہ میرا اور تمہارا نظریہ ایک ہی ہے۔ اس لئے تم سے کچھ مدد مل جائے گی لیکن تم نے اپنا نظریہ اور راستہ دونوں بدل لیا ہے اور ایک نئی منزل کی طرف گامزن ہو، لیکن میں اپنا نظریہ کبھی نہیں بدل سکتا۔"

"ٹھیک ہے تم جو مناسب سمجھو وہی کرو۔ میں تمہیں کچھ نہیں کہوں گا لیکن ایک

دن تو میرے ساتھ رہو۔ نظریاتی اختلاف الگ معاملہ ہے لیکن تم میرے دوست ہو اس لئے تم پر میرا پورا حق ہے اور تم نے جو کچھ بھی کہا میں نے اسے برا نہیں مانا۔ پھر تمہیں بھی میری باتوں کو نظر انداز کر دینا چاہئے۔ چلو ناشتہ کرتے ہیں۔"

وقار نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے ساتھ ہولیا۔ دونوں ڈائننگ ٹیبل تک آئے۔ نوکر نے ناشتہ لگا دیا اور دونوں ناشتہ کرنے میں مشغول ہو گئے۔ عرفان نے سارا مزہ خراب کر دیا تھا اور ذہن مکدر ہو گیا تھا۔

ناشتہ کے بعد عرفان نے وقار کو اس کا کمرہ دکھا دیا کہ جب تک تم یہاں آرام کرو میں ایک گھنٹے میں ایک کام نپٹا کر آتا ہوں۔ عرفان تو نکل گیا مگر اس کی باتیں ابھی تک تعاقب کر رہی تھیں۔ عرفان اس قدر بھی بدل سکتا ہے۔ کیا اسے اپنے مذہب سے قطعی محبت نہیں رہی۔ اس نے ایک ہندو لڑکی سے شادی کرنے کا فیصلہ کیسے کر لیا۔ ظاہر ہے وہ لڑکی بھی اسلام قبول نہیں کرے گی پھر عرفان اور منجولا سے ہونے والا بچہ کیا ناجائز نہیں ہوگا؟ وہ کس مذہب کو اختیار کرے گا؟ کیا ایسا نہیں لگتا کہ آنے والے وقتوں میں ایک ایسی جماعت تیار ہو جائے گی جس کا کوئی مذہب نہیں ہوگا۔ وہ مذہب سے نابلد ہوگا۔ وقار کے ذہن میں بہت سارے سوال ابھرتے ہیں اور وہ خود ان کا جواب تلاش کرنے کیلئے دور تک سفر کرتا ہے مگر خالی ہاتھ واپس آتا ہے کیوں کہ جواب اس کے ہاتھ نہیں لگ سکا۔'

وہ اس بات پر بھی فکر مند تھا کہ وہ بلند اقبال کو جا کر کیا بتائے گا کہ عرفان اب بدل گیا ہے۔ اب وہ ہمارا نہیں رہا۔ غیروں کا ہو گیا ہے۔ اس نے اپنی شناخت تک مٹا دی ہے اور زندگی کی دوڑ میں تیز رفتاری کے ساتھ بھاگا جا رہا ہے۔ وہ آسمان کو چھونا چاہتا ہے۔ چاند کو قابو میں کرنا چاہتا ہے۔ بلندی کی اس انتہا تک پہنچنا چاہتا ہے جہاں ہم آپ تصور بھی نہیں کر سکتے اور اس کے لئے اس نے اپنا سب کچھ داؤ

پر لگا دیا ہے۔ نام، مذہب، پہچان اور نظریہ!۔ یہاں تک کہ اس نے اپنا ایمان تک بیچ دیا ہے۔

وقار سوچتا ہے انسان کو بدلتے دیر نہیں لگتی۔ کیا آدمی حالات سے اتنا ٹوٹ سکتا ہے کہ اپنا سب کچھ قربان کر دے؟ اتنے دنوں سے عرفان جس ماحول میں رہ رہا تھا، جس معاشرے میں سانس لے رہا تھا، جس مذہب کی پاسداری کر رہا تھا۔ یہ سب اس کے پیروں میں زنجیر نہیں ڈال سکے۔ اتنا بے باک ہو گیا کہ وہ سب کچھ چھوڑنے پر آمادہ ہو گیا۔

وقار کو عرفان سے نفرت سی ہو گئی۔ وہ اسی وقت یہاں سے چلا جاتا مگر عرفان نے دوستی کا واسطہ دے کر اسے روک لیا تھا اور مجبوراً اسے رکنا پڑ گیا تھا جبکہ اس کا دل یہاں ایک پل بھی رہنے کے لئے تیار نہیں تھا مگر وہ جاتا بھی تو کیسے؟ عرفان کو ناگوار گزرتا۔ وہ بدل گیا ہے مگر میں تو نہیں بدلا۔ اور پھر ایک دن کی بات ہے۔ کل تو اسے واپس ہو جانا ہے۔

سوچ، فکر، کشمکش، غصہ، حیرانی اور شکست کے مختلف جذبات اس کے ذہن و دل میں گڈمڈ ہوتے رہے اور وہ ان میں ہی غوطہ کھاتے کھاتے سو گیا۔

○○

وقار جب گیا پہنچا تو بے حد رنجیدہ تھا۔ نفرت اور تعجب کے ملے جلے تاثرات اس کے چہرے سے عیاں تھے۔ وہ پیچ و تاب کھا رہا تھا۔ اسے کبھی خود پر ہنسی آتی کبھی عرفان کے رویے پر الجھتا رہتا۔ اس نے عرفان کو کیا سمجھا تھا اور وہ کیا بن گیا۔ کتنا بدل گیا ہے——

وقار آپ ہی آپ کہیں کھو گیا۔ پتہ نہیں خلا میں کیا ڈھونڈتا ہوا بہت دور نکل گیا اور کچھ دیر بعد واپس ہوا تو اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے قطرے چھلک آئے تھے۔ اس نے بلند اقبال سے عرفان کے رویے کا تفصیلی ذکر کیا اور اپنے غصے کا اظہار بھی۔ بلند اقبال بھی محو حیرت تھا کہ عرفان جیسا قوم پرست بھی بدل سکتا ہے۔ —— لیکن عافیہ نے قطعی حیرت کا اظہار نہیں کیا بلکہ اس نے چھوٹتے ہی کہا——

"عرفان نے عقلمندی سے کام لیا ہے۔ اسے ایسے حالات میں یہی قدم اٹھانا چاہئے تھا۔ آدمی وہی ہے جو وقت کے ساتھ چلے۔"

وقار کو عافیہ سے اس جواب کی قطعی امید نہ تھی مگر وہ خاموش رہا کہ وہ اپنی بات عافیہ کو سمجھانے سے قاصر تھا یا پھر عافیہ سمجھنا بھی نہیں چاہتی تھی۔

عرفان وقار سے بہت دور چلا گیا تھا۔ اچانک وقار نے محسوس کیا کہ جیسے اس کے پاس سے کوئی اس کی بہت عزیز شے کسی نے چرالی ہے اور وہ اس وسیع دنیا میں تنہا رہ گیا ہے۔ آس پاس چاروں طرف خاموشی مسلط تھی۔ ہوا بھی تھم گئی تھی۔ وقار اپنے کمرہ میں پہنچ کر بستر پر یوں ہی دراز ہو گیا۔ بار بار اس کا ذہن عرفان کی طرف مائل ہو جاتا۔ پھر اس کا ذہن عافیہ کو اپنے احاطے میں لیتا اور آخر میں سفیر پر آکر مرکوز ہو جاتا——

عرفان جو بدل گیا ہے۔ اب اس کا نہیں رہا۔ بلکہ کسی کا نہیں رہا۔ خود کا ہو کر رہ گیا ہے۔

عافیہ چاہتی ہے وہ ان کاموں سے دست بردار ہو جائے۔ اور ایک عام آدمی کی زندگی جیے۔

سفیر جیسا نوجوان اس کے ساتھ باضابطہ طور پر نہیں جڑ پایا تھا جس کے اندر قیادت کی بھرپور صلاحیت موجود ہے۔

رات سیاہ سے سیاہ تر ہوتی جارہی تھی اور وقار لمحہ بہ لمحہ اداس ہوتا جارہا تھا۔ وہ چپ چاپ آنکھیں بند کرکے بستر پر دراز رہا مگر نیند کہاں—— پتہ نہیں وقت کس انجانے موڑ پر گم ہو گیا تھا۔ بچوں کی طرح بلک بلک کر رونے کو جی کر رہا تھا——
تبھی دروازے پر دستک ہوئی۔ اس نے تمام خیالات کو یکبارگی جھٹک دیا۔ اٹھ کر دروازہ کھولا مگر یہ کیا——؟"

سامنے پولس کھڑی تھی۔

حالات کو ابھی وہ سمجھ پاتا کہ پولس نے اسے گرفتار کرلیا۔ نورالدین، نعیمہ اور عافیہ پہلے ہی حراست میں تھے۔ وقار ہکا بکا کھڑا اب کا چہرہ تک رہا تھا۔ جیسے اس کے حواس کسی نے چھین لئے ہوں اور اب اس کے پاس سوچنے کے لئے کچھ نہ بچا

تھا۔ اس کی زبان نے ایک لفظ بھی ادا نہ کیا اور پولس کے ساتھ ہولیا۔ پیچھے پیچھے نورالدین، نعیمہ اور عافیہ نے بھی پولس کی حراست میں گھر سے باہر قدم نکالا۔

بات یہیں ختم نہیں ہوئی تھی بلکہ وقار کے آفس میں بھی پولس نے ریڈ کیا تھا اور وہاں کے تمام کاغذات، فائلیں اور اشیاء اپنی تحویل میں لے کر آفس کو سیل کر دیا تھا۔ یہ تو اتفاق تھا کہ بلند اقبال وہاں موجود نہ تھا ورنہ وہ بھی گرفتار ہو جاتا۔ وہ بمشکل بچتا بچاتا سفیر کے گھر پہنچا۔ اتنی رات میں سفیر اسے دیکھ کر چونک پڑا——

''بلند تم اتنی رات گئے؟''

''غضب ہو گیا سفیر بھائی۔ وقار اور اسکے گھر کے تمام افراد کو پولس پکڑ کر لے گئی۔''

''کیا؟............ لیکن کیوں؟''

''پولس نے وقار پر آئی۔ ایس۔ آئی کے ایجنٹ ہونے کا الزام لگایا ہے۔''

''یہ تم کو کس نے بتایا؟''

''جس مکان میں ہم لوگوں نے دفتر کھول رکھا ہے۔ اس کے مکان مالک برکت علی نے—— جب پولس وہاں پہنچی تو دفتر بند تھا۔ پولس نے تالہ توڑ دیا۔ آواز سن کر برکت علی باہر آئے اور وجہ جاننی چاہی۔ تب انسپکٹر نے بتایا کہ یہ سب لوگ آئی۔ ایس۔ آئی کے ایجنٹ ہیں۔ حالانکہ انہوں نے احتجاج کیا مگر پولس دفتر کے تمام کاغذات، فائلیں اور اشیا اٹھا کر لے گئی۔

سفیر سوچنے لگا—— ''یہ تو بہت برا ہوا لیکن اس کا اندیشہ مجھے پہلے سے تھا اور اس کا انجام یہی ہونا تھا۔''

'''سفیر بھائی ایسے حالات میں صرف آپ ہی مدد کر سکتے ہیں۔ میں کئی لوگوں کے پاس گیا لیکن سبھوں نے آنکھیں پھیر لیں۔''

''میں کیا کر سکتا ہوں۔''

''آپ بہت کچھ کر سکتے ہیں۔ چچا، چچی اور عافیہ کو چھڑانے کے لئے کچھ کیجئے۔ آپ جانتے ہیں پولس عورتوں کے ساتھ بھی بے رحمانہ سلوک کرتی ہے۔ آپ تھانہ پہنچیں تو پولس سمجھ جائے گی کہ لوگوں کو گرفتاری کا علم ہو چکا ہے۔ اس لئے وقار کو بھی ٹارچر زیادہ نہیں کرے گی۔''

''تمہارا کہنا ٹھیک ہے۔ میں سب سے پہلے آفس فون کرتا ہوں''—— سفیر نے پارٹی آفس فون لگایا۔ وہاں پارٹی لیڈر نرنجن کمار موجود تھے۔ دونوں میں تفصیلی گفتگو کے بعد نرنجن کمار نے کہا——

''آپ تھانہ چلئے۔ میں ابھی آتا ہوں۔''

سفیر کپڑا تبدیل کر کے فوراً نکل پڑا۔ اس نے بلند اقبال کو کسی محفوظ جگہ رات گزارنے کو کہا—— جب سفیر تھانہ پہنچا رات کا ایک بج رہا تھا۔ پولس نے وقار کو حاجت میں بند کر رکھا تھا جب کہ نورالدین، نعیمہ اور عافیہ کو باہر ہی ایک بنچ پر بٹھا رکھا تھا۔ سفیر کو دیکھ کر تھانہ انچارج امرت سنگھ حیران رہ گیا کہ اتنی جلدی خبر کیسے پھیل گئی جبکہ پولس نے رات کی تنہائی میں بڑی خاموشی سے کام کیا تھا۔ سبھی جانتے تھے کہ سفیر پارٹی کا بہت فعال کارکن ہے۔ امرت سنگھ نظریں نیچی کئے ہوئے کاغذ پر کچھ لکھتا رہا۔

''امرت جی؟—— سفیر نے اسے مخاطب کیا۔

''ہاں کہئے''—— امرت سنگھ نے سر اٹھایا۔

''کیا میں جان سکتا ہوں کہ آپ نے ان لوگوں کو گرفتار کیوں کیا ہے؟''

''یہ سب آئی۔ ایس۔ آئی کے ایجنٹ ہیں۔''

''یہ بھی؟''

''مطلب وہ وقار احمد''—— امرت سنگھ نے حوالات کی طرف اشارہ کیا۔

''آپ کے پاس کوئی ثبوت ہے؟''

''ثبوت!.......... میں نے آئی۔ بی (انٹلیجنٹ بیورو) کی رپورٹ پر کارروائی کی ہے۔''

''کہاں ہے آئی بی کی رپورٹ۔ ذرا میں بھی دیکھوں۔''

''دیکھئے یہ سرکاری معاملہ ہے۔ ہر کاغذ ہر آدمی کو نہیں دکھایا جاتا۔''

''امرت جی آپ میرے بارے میں اور میری پارٹی کے بارے میں اچھی طرح واقف ہیں۔ آدھے گھنٹے میں ایک ہزار آدمیوں کو یہاں جمع کر سکتا ہوں۔ پھر تو پریس والے بھی آجائیں گے اور آپ کو پریس کے سامنے وہ کاغذ پیش کرنا ہی پڑے گا۔''

''دیکھئے آپ لوگوں کے اسی رویے سے مجرم صاف نکل جاتا ہے اور ہم کچھ نہیں کر پاتے۔ کل شہر میں کچھ ہوتا ہے تو پھر آپ ہی لوگ ہنگامہ کرتے ہیں کہ پولس نکمی ہے۔...... ویسے آپ چنتا نہ کریں۔ میں سارا ثبوت عدالت کو پیش کردوں گا۔''

''لیکن یہ تو بتایئے آپ نے ان لوگوں کی گرفتاری کے لئے وارنٹ جاری کیا تھا۔؟''

اس سوال پر امرت سنگھ نے سفیر کو دیکھا——

''آپ قانون کچھ زیادہ ہی جانتے ہیں۔''

''چچا آپ کو وارنٹ ملا تھا''—— سفیر نورالدین سے مخاطب ہوا۔

''نہیں بیٹے، بس ہمیں گرفتار کر کے لے آئے۔''

''امرت جی سب سے پہلے تو آپ ان لوگوں کو رہا کیجئے اور نہیں تو بولئے

میں اپنی کارروائی شروع کرتا ہوں۔''

تبھی نرنجن کمار بھی آ گئے——

''کیا ہوا کامریڈ؟''

''نرنجن جی اول تو ان کے پاس کوئی ثبوت نہیں ہے کہ وقار آئی۔ ایس۔ آئی کا ایجنٹ ہے۔ ٹھیک ہے انہوں نے وقار کو شک کی بنیاد پر گرفتار کیا لیکن عورتوں کو اور اس بوڑھے کو گرفتار کرنے کا کیا جواز ہے۔ بتایئے۔''

''نرنجن جی بیٹھیے نا!''—— امرت سنگھ بولا۔

نرنجن کمار بیٹھ گئے۔

''امرت جی ساتھی سفیر کا کہنا درست ہے۔ آپ ان لوگوں کو پہلے رہا کیجئے۔ آپ کو معلوم ہے کہ یہ لوگ عزت دار لوگ ہیں۔ سماج میں عزت ہے اور مسلم عورتوں کا حوالات میں رہنا بڑی بے عزتی کی بات ہے۔ جبکہ انہوں نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔''

''نرنجن جی آپ کو نہیں معلوم ہم نے ڈی ایس پی صاحب کے کہنے پر انہیں گرفتار کیا ہے۔ اس لئے بغیر ان کے حکم کے ہم کسی کو رہا نہیں کر سکتے۔''

''ٹھیک ہے تو لایئے۔ میں ابھی ڈی۔ ایس۔ پی سے بات کرتا ہوں——

نرنجن کمار بولے اور فوراً فون لگایا۔ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب لائین پر تھے۔ نرنجن کمار نے پہلے سمجھانے کی کوشش کی۔ ڈی۔ ایس۔ پی صاحب نے بھی نرنجن کمار کو سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کی مگر نرنجن کمار اڑے رہے۔ آخر یہ طے ہوا کہ نورالدین، نعیمہ اور عافیہ کو چھوڑ دیا جائے۔ ڈی ایس پی نے تھانہ انچارج سے بات کی اور تینوں کو رہا کر دیا گیا۔ سبھی تھانے سے باہر آئے۔ نرنجن کمار نے سفیر کو پہلے کنارے لے جا کر کچھ باتیں بتائیں۔ پھر سفیر ان تینوں کو لے کر ان کے گھر پہنچا۔

''بیٹے تم نے بہت بڑا کام کیا ہے۔ اگر تم وقت پر نہ آتے تو نہ جانے کیا ہوتا۔ مجھے تو اپنی فکر نہ تھی مگر عافیہ اور اس کی ماں کے لئے میں بہت کڑھ رہا تھا۔ صبح ہوتے ہی پورے علاقے میں یہ بات پھیل جاتی اور ہم کہیں منہ دکھانے کے قابل نہیں رہتے۔''

''چچا جو ہوا اسے بھول جایئے اور آگے کے لئے سوچئے، آگے کیا کرنا ہے۔''

''بیٹے تم ہی بتاؤ آگے کیا کرنا ہے۔ مجھے تم پر ہی بھروسہ ہے''—— نعیمہ بولی۔

''سفیر بھائی وقار کا کیا ہوگا؟—— عافیہ کو وقار کی فکر تھی۔

''عافیہ جو کچھ بھی ہوا۔ اس میں کوئی بہت بڑی سازش ہے۔ میں کوشش کروں گا کہ اس سازش کی تہہ تک پہنچ سکوں۔ لیکن اس میں وقت لگے گا۔ ہمیں یہ مان کر چلنا پڑے گا کہ وقار اتنی آسانی سے نہیں چھوٹ سکے گا۔ کیونکہ پولس نے آئی ایس آئی کا ایجنٹ قرار دیا ہے اور یہ سب پوری تیاری کر کے کیا گیا ہے۔ چونکہ اس کیس میں اوپر کے حکام بھی شامل ہیں اور انہوں نے خاصی دلچسپی دکھائی ہے۔ اس کا مطلب ہے یہ سب کام سوچ سمجھ کر ہوا ہے اور بڑے پیمانے پر سازش رچی گئی ہے۔ میں پوری کوشش کروں گا کہ وقار چھوٹ جائے۔''

''بیٹے ہمیں اب کیا کرنا ہوگا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ تمہارے جانے کے بعد پھر پولس ہمیں گرفتار کر کے لے جائے''—— نورالدین خوف زدہ تھے۔

''چچا آپ ایسا کیجئے کہ اپنی طرف سے اخبار اور پریس کو ایک نوٹس جاری کیجئے کہ وقار سے ہمیں اب کوئی مطلب نہیں ہے۔''

''نہیں یہ تو وقار کے ساتھ زیادتی ہوگی۔ اس کا مطلب ہے کہ مصیبت کے وقت ہم اسے منجدھار میں چھوڑ دیں۔ وہ تو جیتے جی مر جائے گا۔ نہیں ابو آپ ہرگز

ایسا مت کیجئے۔ وقار ٹوٹ جائے گا۔ اسے ابھی سہارے کی سخت ضرورت ہے''—— عافیہ جذباتی ہو گئی۔

''عافیہ تم جذبات سے کام لے رہی ہو۔ تم یہ بھول رہی ہو کہ پولس کسی بھی وقت پھر سے تم لوگوں کو گرفتار کر کے لے جا سکتی ہے۔ اور اس بار پوری تیاری اور ثبوت کے ساتھ گرفتار کرے گی کیوں کہ آج تو اسے قانونی دھمکی دے کر آپ لوگوں کو رہا کروا لیا مگر جب پولس قانونی طور پر مضبوط ہوگی تو ہم لوگ بھی مجبور ہو جائیں گے پولس کوئی بھی چارج لگا سکتی ہے۔ ہاں عدالت میں ہم اس کا جواب دے سکتے ہیں مگر فوری طور پر وہ پریشان کر ہی سکتی ہے۔''

''تم ٹھیک کہہ رہے ہو بیٹے۔ میں کل ہی یہ کام کروں گا۔''

''ابو لیکن وقار کے ساتھ یہ ناانصافی ہوگی۔''

''بیٹی ہم مجبور ہیں۔''

''اس کا مطلب آپ اسے رہا کرانے کی بھی کوشش نہیں کریں گے اور اسے جیل میں سڑنے کے لئے چھوڑ دیں گے۔''

''عافیہ تم تھوڑا صبر کرو۔ ہم کل دیکھتے ہیں کہ وقار پر چارج کیا کیا لگایا گیا ہے اور اس کا مقابلہ ہم کیسے کر سکتے ہیں۔''

عافیہ رو پڑی اسے وقار کے گرفتار ہونے کا بڑا ملال تھا۔ مگر وہ بے بس تھی۔ اس نے روتے ہوئے کہا——

''سفیر بھائی آپ سے ایک گذارش ہے کہ کسی بھی طرح وقار کو رہا کروایئے۔ نہیں تو میں مر جاؤں گی۔ میں اسے بے حد پیار کرتی ہوں اور اس کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتی''—— وہ روتے ہوئے اپنے کمرے میں چلی گئی۔

سفیر نے گھڑی دیکھی۔ رات کے دو بج رہے تھے۔ اس نے نورالدین سے

اجازت لی مگر نورالدین نے روکنا چاہا——

''بیٹے اتنی رات میں کہاں جاؤ گے۔ دو تین گھنٹے میں صبح ہو جائے گی تب چلے جانا۔ تمہارے بھی بہت دشمن ہیں۔'

''دشمن ضرور ہیں مگر میں ایسی پارٹی میں ہوں کہ سب لوگ ڈرتے ہیں اور اگر مجھ پر کسی نے بھی ہاتھ اٹھایا تو پارٹی اس کا جواب دینے کے لئے ہر وقت تیار ہے۔''

''وہ تو ہے بیٹے پھر بھی احتیاط ضروری ہے۔''—— نورالدین بولے۔

''آپ اطمنان رکھیں چچا۔ موت برحق ہے اور میں موت سے نہیں ڈرتا۔ آپ لوگ آرام کریں۔ کل دیکھتا ہوں وقار کے لئے کیا کرسکتا ہوں۔''

یہ کہہ کر سفیر گھر سے نکل پڑا۔

سفیر کے تھانہ جانے سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ پولس الرٹ ہوگئی کہ وقار کی گرفتاری کی خبر لوگوں کو ہو چکی ہے اور کل تک اخبار میں بھی یہ خبر شائع ہو جائے گی۔ ایسی حالت میں وقار کو زیادہ ٹارچر نہیں کیا جاسکتا۔ سفیر پٹنہ سے لے کر دلی تک خبر پہنچا سکتا ہے یا تھانہ یا ایس۔ پی کا گھیراؤ کرسکتا ہے اور وہی ہوا۔ صبح گیارہ بجتے بجتے سفیر نے دوسو لوگوں کو لے کر تھانہ کو گھیر لیا۔ نرنجن کمار اور سفیر آگے آگے تھے۔ کئی عورتیں اور نوجوان ہاتھ میں تختیاں لئے ہوئے تھے جس میں کئی نعرے لکھے ہوئے تھے——

''مسلمانوں کو آئی۔ ایس۔ آئی کا ایجنٹ کہنا بند کرو۔''

''کسی پر بھی الزام لگانے سے پہلے ثبوت پیش کرو۔''

''وقار بے گناہ ہے اسے رہا کرو۔''

''مسلمانوں پر ظلم بند کرو۔''

تھانہ انچارج امرت سنگھ اس کے لئے قطعی تیار نہیں تھا۔ اسے امید نہیں تھی کہ سفیر وقار کے لئے یہاں تک جاسکتا ہے۔ پریس کو پہلے ہی خبر ہو چکی تھی اس لئے وہ وہاں موجود تھے اور انہیں معلوم تھا کہ اگر وقار کو رہا نہیں کیا گیا تو کوئی بھی غیر معمولی واقعہ رونما ہوسکتا ہے۔ تھانہ انچارج نے ڈی۔ ایس۔ پی کو فون کر کے صورت حال سے آگاہ کردیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے مزید فورس طلب کرلیا۔ سفیر اور اس کی پارٹی کے لوگ مائیک پر برسر اقتدار پارٹی اور پولس کے خلاف زہر اگل رہے تھے۔ پولس تماشائی بنی کھڑی تھی۔ رفتہ رفتہ پولس کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ تبھی ڈی۔ ایس۔ پی وہاں آدھمکے۔ ڈی۔ ایس۔ پی کو دیکھ کر مظاہرہ کرنے والوں میں جوش وخروش بڑھ گیا۔ وہ اور زور زور سے نعرے لگانے لگے——

''گیا کا ڈی۔ ایس۔ پی مردہ باد۔''

''مردہ باد مردہ باد۔''

ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کو غصہ آگیا اور اس نے لاٹھی چارج کا حکم دے دیا۔ پھر کیا تھا پولس نے لاٹھی برسانا شروع کردیا۔ لیکن پارٹی کے ورکر بھی اس کے لئے پہلے سے تیار تھے اور وہ جانتے تھے کہ ایسا ممکن ہے اس لئے سڑک کے کنارے پڑے پتھر اور اینٹوں سے پولس پر حملہ شروع کردیا۔

ایک پتھر ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کی طرف بھی پھینکا گیا مگر اس کا باڈی گارڈ آگے آگیا۔ پتھر اس کی ناک پر لگا اور ناک سے خون بہنے لگا۔ سفیر اور نرنجن کمار نے بھی مورچہ سنبھال لیا تھا۔ تھانے پر پتھروں کی بارش ہو رہی تھی۔ کچھ ہی دیر میں پولس کی مزید گاڑیاں وہاں پہنچ گئیں اور پولس نے دور تک مظاہرین کا تعاقب کر کے انہیں بھاگنے پر مجبور کردیا——'

اس پتھراؤ میں کئی پولس اہلکار کو چوٹیں آئی تھیں۔ اور کتنے ہی مظاہرین کو بھی چوٹیں آئیں تھیں۔ زخمیوں کو اسپتال پہنچایا گیا۔ ز نجن کمار اور سفیر اس لئے نہیں بھاگ سکے کیوں کہ تمام لوگوں کو وہاں سے نکالنا ضروری تھا۔ اسی درمیان دونوں کو پولس نے گرفتار کرلیا۔ ڈی۔ ایس۔ پی اور تھانہ انچارج بہت غصے میں تھے۔ کچھ ہی لمحہ بعد ایس۔ پی صاحب بھی آ گئے۔ ڈی۔ ایس۔ پی نے انہیں ساری تفصیل بتائی۔ ایس۔ پی سمجھ رہا تھا کہ اگر انہیں بھی پیٹا گیا تو معاملہ اور بگڑ جائے گا۔ کل اور زبردست مظاہرہ ہوگا اور بات اسمبلی تک پہنچ جائے گی۔ اور پھر وہی ہوا جس کی توقع تھی۔ چند گھنٹے بھی نہیں گذرے تھے کہ پٹنہ سے آئی۔ جی کا فون آ گیا کہ

دونوں لیڈروں اور سارے کیڈروں کو شام تک رہا کر دیا جائے——'

اخبار میں دوسرے دن یہ خبر جلی حروف میں شائع ہوئی۔ تصویر بھی چھپی۔ پارٹی اور پولس والے دونوں ایک دوسرے پر الزام تراشی کررہے تھے۔ مگر عوام کی ہمدردی پارٹی کے ساتھ تھی کیوں کہ سبھی کو معلوم تھا کہ یہ پارٹی ہمیشہ ظلم اور زیادتی کے خلاف آواز بلند کرتی رہی ہے——'

اس سے ایک فائدہ یہ ہوا کہ وقار بھی خبروں میں آ گیا۔ وقار کے معاملہ کو ہر آدمی اپنی اپنی نظر سے دیکھ رہا تھا——

جو لوگ اس کی تنظیم سے منسلک تھے وہ حالات سے بخوبی واقف تھے اور ان کی ہمدردی وقار کے ساتھ تھی مگر تنظیم کے سارے عہدیداران روپوش ہو گئے تھے یا انہوں نے شہر چھوڑ دیا تھا۔ بہت سارے لوگوں نے تو یہ بھی اعلان کر دیا کہ ان کا اس تنظیم سے کوئی تعلق نہیں ہے صرف بلند اقبال تھا جو شہر میں ہی موجود تھا اور حالات پر نظر رکھے ہوئے تھا۔ پولس نے اس کے گھر پر بھی ریڈ کیا تھا بلکہ اس کے کئی ٹھکانوں پر بھی چھاپا مارا تھا مگر اسے کامیابی نہیں ملی تھی۔ بلند اقبال یا تو چھپ

کر یا فون سے اکثر سفیر سے بات کرتا اور حالات سے باخبر ہوتا رہتا۔ اسے اس قدر بات بڑھ جانے کی امید نہ تھی لیکن وہ دل ہی دل میں سفیر کا احسان مند بھی تھا کہ سفیر نے معاملے کو ایک نیا موڑ دے دیا ورنہ حوالات میں پولس وقار کی ہڈی پسلی ایک کر دیتی اور اسے مجبور کر دیتی کہ اس پر پولس کے ذریعہ لگائے گئے جھوٹے الزامات کو وہ قبول کرلے——'

پولس نے حالات کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے دوسرے ہی دن وقار کو جیل منتقل کر دیا کیوں کہ شہر میں اس پر ردعمل شروع ہو چکا تھا اور مختلف سیکولر لوگوں کے بیانات اخباروں میں آنے لگے تھے لیکن سفیر کو چھوڑ کر کوئی بھی مسلم لیڈر کھل کر سامنے نہیں آیا تھا البتہ بیان بازی خوب ہوتی رہی اور ڈرائنگ روم میں بحث ومباحثہ کا سلسلہ جاری رہا۔ کوئی وقار سے ملنے کی جرأت بھی نہ کرسکا کہ کہیں اسے بھی آئی۔ ایس آئی کا ایجنٹ قرار نہ دے دیا جائے۔

○ ○

جیل جانے کے چوتھے دن سفیر عافیہ کے ہمراہ وقار سے ملنے گیا۔ وقار سفیر کو دیکھ کر رو پڑا——

''یار روتے کیوں ہو۔ تم نے کوئی جرم نہیں کیا ہے۔ تمہارا کوئی قصور نہیں ہے۔ تم ایک نیک کام کر رہے تھے یہ الگ بات ہے کہ تمہارے کام کرنے کا طریقہ الگ تھا۔ ورنہ دیکھو میں بھی مسلم مسائل کے لئے لڑتا ہوں، احتجاج کرتا ہوں لیکن مجھے کوئی پریشانی نہیں ہے۔''

''سفیر میں یہ تو نہیں کہہ سکتا کہ میں غلط تھا یا میں نے غلط طریقہ کار اپنایا تھا لیکن تم نے میرے لئے جو کچھ کیا ہے اسے میں کبھی فراموش نہیں کر سکتا۔''

''وقار میں نے جو بھی کیا وہ وقت اور حالات کی ضرورت تھی۔''

'تمہاری وجہ سے پولس نے مجھے زدوکوب نہیں کیا۔ ورنہ پولس نہ جانے میرے ساتھ کیا سلوک کرتی۔ سب سے بڑا کام تو تم نے یہ کیا کہ چچا چچی اور عافیہ کو رات ہی میں تھانہ سے چھڑا لیا ورنہ پولس کا کوئی بھروسہ نہیں کیا جا سکتا۔''

''وقار اب یہ ساری باتیں چھوڑو۔ جو ہونا تھا سو ہوا۔ اب ہم لوگ تمہاری رہائی کے لئے کوشش کر رہے ہیں کہ جلد سے جلد چھوٹ جاؤ''—— عافیہ بولی۔

''ہاں وقار میں نے چارج شیٹ دیکھی ہے۔ پولس کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے جس سے پتہ چلے کہ تم آئی ایس آئی کے ایجنٹ ہو۔ ہم نے وکیل سے بات کر لی ہے۔ ایک دو دن کے اندر ضمانت کی عرضی دیں گے۔ امید ہے کہ تمہاری ضمانت ہو جائے گی۔''

''مجھے نہیں لگتا کہ میری رہائی ہوگی۔ پولس نے زبردستی دیش دروہی کا الزام لگایا ہے اور اس طرح کے کیس میں سینکڑوں نوجوان کئی سالوں سے جیل میں بند ہیں۔ جو آج تک رہا نہ ہو سکے ہیں۔ مجھے جھوٹی تسلی نہ دو دوست۔ اب میرا چھوٹنا ناممکن ہے''—— وقار کی آنکھوں میں آنسوؤں کی دو موٹی موٹی بوندیں چھلک آئیں۔

''تم ناامید مت ہو وقار۔ میرا دل کہتا ہے کہ تم جلد چھوٹ جاؤ گے''—— عافیہ کی آواز بھی روہانسی ہو گئی تھی۔

''وقار تم اس طرح حوصلہ مت ہارو۔ میں ہر ممکن کوشش کروں گا''—— سفیر نے اسے ڈھارس بندھائی۔

''میں جانتا ہوں دوست۔ میرے نہ کہنے کے باوجود تم ہار ماننے والے نہیں ہو۔ تم ہر ممکن کوشش کرو گے۔ دیکھ لو کر کے۔ شاید کوئی نتیجہ برآمد ہو جائے۔''

''اچھا اب چلتا ہوں۔ وکیل سے بھی ملنا ہے۔ چلو عافیہ''—— دونوں وہاں سے نکلے۔ وقار دونوں کو مایوس کن نظروں سے جاتے ہوئے دیکھتا رہا۔ عافیہ بھی بار بار گھوم کر وقار کو دیکھ رہی تھی۔

○○

دن تپا ہوا ہے۔ سورج اگر چہ آسمان کے پچھمی جھکاؤ کو نکا، آہستہ آہستہ سیڑھیاں اتر رہا ہے اور دھوپ کی حدت بھی ٹوٹ چکی ہے لیکن گرمی اور تپش میں ذرہ برابر بھی کمی نہیں آئی ہے۔ سفیر ماتھے سے پسینہ پونچھتا ہوا عدالت سے باہر نکلتا ہے۔ آج بھی وقار کو ضمانت نہیں ملی تھی۔ دن بھر کی مصروفیت کے بعد ناکامی ہی ہاتھ آئی تھی۔ اسے افسوس تھا۔ اداس سر جھکائے چلا جا رہا تھا۔ پاؤں تھک گئے تھے بلکہ پورا بدن تھکا تھکا سا تھا۔ اس نے سوچا——

''عافیہ کو کیا جواب دے گا۔''

ناکامی کا ایک اور پتھر اس کے جگر کو لہولہان کر دے گا۔ کیسے کر پائے گا اس کا سامنا۔ آج امید تھی کہ ضمانت کی عرضی ضرور منظور ہو جائے گی——'

ایک ہی پل میں اس نے ارادہ بدل دیا اور رکشہ لے کر سیدھا گھر کی طرف چل پڑا۔

دوپہر سے شام ہونے کو آ گئی تھی۔ اندھیرے کا جنم ہونے والا تھا۔ سفیر نے

چائے کی پیالی ابھی ہونٹوں سے لگایا ہی تھا کہ سامنے عافیہ کو دیکھ کر ششدر رہ گیا......

''عافیہ تم؟''

''ضمانت منظور نہیں ہوئی تو مجھے بتائے بغیر ہی گھر چلے آئے۔''—— عافیہ نے بغیر تمہید کے بات شروع کر دی۔

''میں بہت تھک گیا تھا بلکہ سر چکرانے لگا تھا اسی لئے گھر آ گیا۔ سوچا تھا شام کو جا کر بتا دوں گا۔''

''سفیر بھائی لگتا ہے آپ ہمت ہار رہے ہیں۔''

''نہیں عافیہ میں ان لوگوں میں ہوں جو آخری سانس تک ہمت نہیں ہارتے...... میں نے ہائی کورٹ جانے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ وکیل سے میری بات بھی ہو گئی ہے۔ اگلے سوموار کو وکیل موو کرے گا۔''

''مجھے آپ سے یہی امید ہے۔ میں چلتی ہوں۔''

''چائے تو پیتی جاؤ۔''

مگر عافیہ نہیں رکتی ہے اور تیزی سے کمرہ سے نکل جاتی ہے۔

ادھر وقار کے گھر والوں کو بڑا دھچکا لگتا ہے۔ وہ ان سے ملنے آتے ہیں۔ وقار اپنی ماں سے مل کر خوب رویا تھا۔ ماں اور باپ بھی خوب روئے تھے اور اسے چھڑانے میں تن من دھن سے لگ گئے تھے۔ سفیر ان کا ہر قدم پر ساتھ دے رہا تھا۔

اس کے برعکس وقار کے تمام دوست ابھی تک روپوش تھے۔ کچھ نے تو دوسرے شہر میں جوب کر لیا تھا مگر بلند اقبال اسی شہر میں تھا۔ اس واقعہ کو کئی مہینے گذر چکے تھے۔ رفتہ رفتہ لوگ بھولنے لگے تھے اور پولس نے بھی مزید لوگوں کی

گرفتاری کی کوشش چھوڑ دی تھی۔ اس طرح اب بلند اقبال کسی حد تک آزادانہ طور پر رہنے لگا تھا۔ حالانکہ وہ اب بھی چوکنا رہتا۔ نہ جانے کب پولس آدھمکے اور اسے گرفتار کر لے۔ اس نے سیاسی طور پر بھی تھانہ سے اپنے نام ہٹوانے کی کوشش کی تھی اور ایس۔ پی نے وعدہ کیا تھا کہ اب پولس اسے تنگ نہیں کرے گی۔

○○

اور پھر یوں ہوا کہ وہ شام بالآخر آہی گئی جس کے دامن میں ایک عجیب سی مہک تھی۔ روح کو تازگی عطا کرنے والی کیفیت تھی اور احساس میں میٹھی میٹھی چبھن تھی۔

بہت دیر بعد جب چاند شہتوت کے دامن میں چھپ رہا تھا اور چاندنی درختوں کی پتیوں سے چھن چھن کر گلشن کو خوشنما بنا رہی تھی، منجولا نے آگے بڑھ کر عرفان کا ہاتھ تھام لیا——

''عرفان میں تمھیں بے پناہ محبت کرتی ہوں۔ تم میری محبت کا اندازہ نہیں لگا سکتے۔''

عرفان خاموش رہا۔ حسن خود ملتجی ہو گیا تھا۔ عرفان نے اپنے دل میں تیز دھڑکن محسوس کی۔ وہ اسی طرح ساکت کھڑا رہا۔ منجولا نے عرفان کی طرف دیکھا، اس انداز سے کہ عرفان کی نگاہیں آپ ہی آپ جھک گئیں۔ منجولا آگے بڑھی اور بے باکانہ انداز میں اپنے ہونٹ عرفان کے ہونٹوں پر ثبت کر دیے۔ عرفان اس کے اس انداز پر حیران رہ گیا مگر——

اس وقت عرفان شاید زمین پر نہیں تھا۔ آکاش پر بھی نہیں تھا۔ پتہ نہیں اس

کے پیر کہاں ٹکے ہوئے تھے۔ وجود کہیں معلق ہو کر رہ گیا تھا۔ پھر یوں کافی دیر ہوگئی۔ منجولا آہستہ آہستہ عرفان کے سینے سے لگتی گئی اور پوری طرح عرفان کی بانہوں میں سماگئی۔ عرفان بھی کچھ لمحے سوچتا رہا لیکن جب حسن کی خود سپردگی کو محسوس کیا تو اس کی بھی گرفت مضبوط ہوتی گئی۔ دونوں ایک دوسرے کی بانہوں میں سماگئے تھے۔ چاند نے اپنا سفر جاری رکھا اور دو جسموں کو اپنی چاندنی سے نہلاتا رہا——'

کچھ وقفے کے بعد منجولا عرفان کی بانہوں سے نکل کر دور کھڑی ہوگئی۔ شاید وہ اپنے اس بے باکانہ انداز پر شرمسار تھی۔ عرفان نے منجولا کو دیکھا۔ اسے کبھی ہنسی آتی کبھی خواہ مخواہ الجھتا۔ اس نے سوچا—— منجولا عجیب عجیب حرکتیں کرتی ہے۔

وہ مجھے جیتنا چاہتی ہے——

یا میں ہی اسے چاہنے لگا ہوں؟

عرفان کو اپنا سب کچھ کھوتا ہوا محسوس ہوا۔ منجولا نے پیار سے اس کے دل پر فتح کا جھنڈا گاڑ دیا تھا۔ منجولا نے اسے جیت لیا تھا یا عرفان نے خود بخود اپنی شکست تسلیم کر لی تھی۔ محبت اور تعجب کے ایک اجنبی سے دوراہے پر کھڑا عرفان خواب اور حقیقت کا موازنہ کرتا رہا۔ کہیں منجولا کا پیار خواب ثابت نہ ہو۔ کیوں کہ حقیقت سے ٹکرانے کے بعد پیار کا تاج محل چکنا چور ہو جاتا ہے——'

عرفان منجولا سے الگ نہیں رہ سکتا تھا کیوں کہ اس کے بھی دل کے کسی گوشے میں پیار کی شمع روشن تھی۔

پھر رفتہ رفتہ دونوں ایک دوسرے سے کاروباری مصروفیتوں کے علاوہ بھی ملنے لگے۔ بالآخر چند مہینوں کے بعد منجولا نے عرفان کے سامنے یہ پروپوزل رکھ ہی دیا——

''عرفان اب ہمیں شادی کر لینی چاہیے۔''

عرفان کے دل نے بھی منجولا کے دل سے ایک طرح کا سمجھوتہ کر لیا تھا۔ منجولا کے خوبصورت گداز جسم کے لئے عرفان کے اندر بھی تڑپ تھی۔ اب عرفان مفاہمت کی تمام منزلیں طے کر لینا چاہتا تھا کہ وہ اپنی زندگی میں منجولا کی کمی شدت سے محسوس کر رہا تھا۔ اس نے کچھ دیر کے بعد کہا——

''احمر اور وندنا کو تمہارے گھر بھیج کر شادی کی تاریخ طے کرا لیتا ہوں۔''

منجولا نے فرطِ مسرت سے عرفان کو چوم لیا اور تتلی کی طرح اڑتی ہوئی نظروں سے اوجھل ہوگئی——''

○ ○

آج وہ شام بھی آ گئی جس کا منجولا اور عرفان کو انتظار تھا——

احمر کا گھر دلہن کی طرح سجا تھا۔ مہمانوں کی آمد تھی۔ شہر کے معزز لوگ، سیاسی لیڈر اور فلم والوں سے ہال بھرا پڑا تھا۔ شادیانے بج رہے تھے۔ احمر اور وندنا مہمانوں کا خیر مقدم کر رہے تھے۔ لوگ آتے منجولا اور عرفان کو مبارک باد دیتے اور کوئی تحفہ منجولا کے ہاتھ میں پکڑا دیتے۔ دونوں کے ہونٹوں پر مسکان رینگ رہی تھی۔ منجولا کے ماتا پتا اور چھوٹی بہن رما بھی بزم کی رونق بنی ہوئی تھی۔ وہ عرفان کو چھیڑتی——

"کیوں جیجا جی ہنی مون منانے کہاں جا رہے ہیں؟"

"آگرہ!"

"آگرہ میں تو پاگل خانہ ہے۔"

"ویسے تمہاری بہن کو تو دیکھ کر کوئی بھی پاگل ہو سکتا ہے۔"

"آپ ابھی تک ٹھیک ہیں نا؟"

"ہاں ابھی تک تو ٹھیک ہوں۔ لیکن دل میں کچھ کچھ ہو رہا ہے۔"

"اچھا ہے دل ہی میں ہو رہا ہے۔ کہیں دماغ میں نہ ہونے لگے۔"

"میرا دماغ اب میرا کہاں رہا۔ اب تو سب کچھ منجولا کا ہو کر رہ گیا ہے۔"

"کوئی مکھن لگانا آپ سے سیکھے۔"

"کہو تو تمہیں بھی تھوڑا لگا دوں۔"

"یہاں کوئی اثر ہونے والا نہیں۔"

"کیوں؟"

"میں پہلے سے بُک ہوں۔"

"کون ہے وہ خوش نصیب۔"

"ہے کوئی۔ وقت آنے پر پتہ چل جائے گیا۔"

رما ہنستی ہوئی آگے نکل گئی۔ کیوں کہ ماں نے اسے آواز دی تھی۔ عرفان نے منجولا کی طرف مسکرا کر دیکھا۔ وہ بھی مسکرا رہی تھی۔ ڈھیر ساری خوشیاں عرفان کے حصے میں آئی تھیں۔ دولت، شہرت، اور خوبصورت شریک حیات، منجولا صرف اس کی بیوی نہیں تھی بلکہ ہم سفر، ہم راز اور ہم نوا بھی تھی۔

وقت عرفان پر اتنا مہربان ہو جائے گا اس نے خواب میں بھی نہیں سوچا تھا۔ وہ تو ایک بھاگا ہوا مجرم تھا۔

○○

وقت یوں گزرتا ہے جیسے کسی اسٹیشن سے ٹرین ایک جھٹکے سے نکل جاتی ہے اور لوگ کھڑے دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ جب عرفان نے وقت پر نظر ڈالی تو دو سال کا وقفہ گزر چکا تھا اور اب اس کے آنگن میں ایک ننھا سا پھول کھل آیا تھا۔ حالانکہ معصوم پھول کے نام کو لے کر منجولا اور عرفان میں تھوڑی سی نوک جھونک ہوگئی تھی۔ عرفان شاکر نام رکھنا چاہتا تھا جبکہ منجولا راہل رکھنا چاہتی تھی۔ آخر اس کا نام بنٹی رکھا گیا——''

○ ○

منجولا روز بروز مصروف ہوتی جارہی تھی جبکہ عرفان نے اپنے کام کو ایک حد تک محدود کر دیا تھا۔ ویسے بھی اس کے پاس تشفی بخش کام تھے لیکن منجولا مزید کام کے لئے دن دن بھر گھر سے باہر رہتی۔ اسے نہ عرفان کی فکر تھی اور نہ ہی بنٹی کی۔ بس کام اور کام۔ وہ بلندی پر پہنچنا چاہتی تھی ایک مشہور پروڈیوسر ڈائرکٹر بننا چاہتی تھی۔

اس کا اثر بنٹی پر پڑ رہا تھا۔ وہ گھر میں ماں کی کمی کو شدت سے محسوس کرتا۔ اب وہ تین سال کا ہو چکا تھا اور بولنے بھی لگا تھا۔ حالانکہ گھر میں اسے دیکھنے کے لئے نوکر چاکر موجود تھے لیکن منجولا کی عدم موجودگی بنٹی کو بھی کھلتی۔ ماں کے جس پیار کا وہ طلب گار تھا اسے نہیں مل پا رہا تھا۔ عرفان ایک باپ کا پورا فرض ادا کر رہا تھا اور اپنے کام کے بعد زیادہ تر وقت وہ بنٹی کو دیتا۔ اس لئے بنٹی کا جھکاؤ باپ کی طرف زیادہ تھا۔ رفتہ رفتہ وہ منجولا سے بے پروا ہوتا جا رہا تھا۔ پہلے تو منجولا نے اسے سنجیدگی سے نہیں لیا لیکن اس کی بہن رما نے اس کا احساس دلایا کہ اس طرح بنٹی ایک دن اس سے نفرت کرنے لگے گا اور باپ کا گرویدہ بن جائے گا۔

منجولا کو یہاں اپنی شکست کا احساس ہوا اور ساڑھے تین سال پورے ہونے

پر اسے بورڈنگ میں ڈالنے کا فیصلہ کر لیا۔ جبکہ عرفان اتنے چھوٹے بچے کو بورڈنگ میں ڈالنے کے لیے قطعی تیار نہ تھا۔ اس بات پر دونوں میں جم کر بحث ہوگئی۔

''تم بنٹی کو میرے خلاف کھڑا کرنا چاہتے ہو'' —— منجولا نے غصّے میں کہا۔

''یہ گھر کوئی سیاست کا اکھاڑہ نہیں ہے جہاں کوئی کسی کے خلاف کسی کو کھڑا کرے گا۔ بنٹی ہم دونوں کا بیٹا ہے۔ ماں ہونے کے ناتے تمہیں اس کے ساتھ زیادہ وقت دینا چاہئے لیکن تم کو اس سے بے پروائی برتتے دیکھا تو میں نے باپ کا فرض ادا کرنا شروع کیا تاکہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہو جائے'' —— عرفان نے حقیقت سے اسے آگاہ کیا۔

''سچائی پر پردہ نہ ڈالو عرفان۔ دراصل بنٹی کو تم اپنے مذہب کی طرف لے جانا چاہتے ہو'' —— منجولا اپنی اوقات پر آگئی۔

''مجھے شروع سے ہی اس کا ڈر تھا کہ تم ایک دن مذہب کی دیوار ضرور کھڑی کر دوگی۔''

''میں مذہب کی دیوار کھڑی نہیں کر رہی ہوں بلکہ تم اپنے مذہب کو چھوڑنا نہیں چاہتے۔''

''شادی سے پہلے ہم لوگوں میں یہ طے ہو گیا تھا کہ کوئی کسی کے مذہب میں دخل انداز نہیں ہوگا۔ دونوں فریق اپنے مذہب کو مانیں یا نہ مانیں وہ آزاد ہیں لیکن اب تم مذہب کا سہارا لے کر ایک نیا مسئلہ کھڑا کرنا چاہتی ہو۔''

''میں کوئی نیا مسئلہ کھڑا نہیں کر رہی ہوں۔ تعجب تو اس بات کا ہے کہ تم اتنے دنوں میرے ساتھ رہ کر بھی خود کو نہیں بدل سکے۔ مجھے دیکھو۔ میں کبھی مندر نہیں گئی نہ ہی کسی مذہبی پروگرام میں شرکت کی۔ میں زمانے کے ساتھ جینا چاہتی ہوں۔ میں مذہب کے جھمیلے میں پڑ کر اپنی ترقی نہیں روکنا چاہتی'' —— منجولا نے ایک

لمبی تقریر کر دی۔

''میری دعا ہے کہ تم اور ترقی کرو۔ لیکن میں بنٹی کو ایک اچھا انسان بنانا چاہتا ہوں۔''

''تو میں کیا اسے شیطان بنانا چاہتی ہوں؟''

''تمہاری لاپروائی کی وجہ کر وہ اتنا بے باک ہو جائے گا کہ اس میں اچھے اور برے کی تمیز بھی باقی نہیں رہے گی۔''

''صاف صاف کیوں نہیں کہتے کہ تم بنٹی کو مولوی بنانا چاہتے ہو۔''

''یہ تو تمہاری سمجھ ہے۔''

''بنٹی میرا بھی بیٹا ہا اور اس پر میرا بھی اتنا ہی حق ہے جتنا تمہارا۔''

''باپ کا حق بیٹے پر زیادہ ہوتا ہے'' —— عرفان کو بھی غصہ آ گیا۔

'قانون کی رو سے بنٹی میری سرپرستی میں آجائے گا۔''

''اس کا مطلب قانون کی دھمکی دے رہی ہو۔''

''نہیں خبردار کر رہی ہوں تاکہ اس کی نوبت نہ آئے۔''

''تم چاہتی کیا ہو؟''

''بنٹی کو بورڈنگ میں ڈالنا چاہتی ہوں۔''

''وہ ابھی بہت چھوٹا ہے۔ اس لئے اس کا بورڈنگ میں ڈالنا مناسب نہیں۔''

''اور بھی بچے بورڈنگ میں پڑھتے ہیں۔''

''پڑھتے ہوں گے لیکن میں اپنے بیٹے کی تربیت اپنی سرپرستی میں کرنا چاہتا ہوں۔''

''میں ایسا نہیں ہونے دوں گی۔''

''اور میں ایسا ہی کر کے رہوں گا۔''

''تم اپنی اوقات بھول رہے ہو عرفان۔''

''منجولا حد میں رہو۔''

''حد میں رہنا تم سیکھو۔ یہ مت بھولو کہ میں، وندنا اور احمر نے تمہیں سڑک سے اٹھا کر محل تک پہنچا دیا۔''

''تم..........؟..........؟..........؟ تم لوگوں نے.......... اور میری قابلیت؟..........اس کا کوئی معنی نہیں؟''

''یہاں تمہارے جیسے لاکھوں ٹالنٹیڈ لوگ سڑکوں کی خاک چھان رہے ہیں۔ اور تمہیں جو کچھ بھی ملا پارٹی کا ممبر ہونے کی وجہ کر۔ کیوں کہ پارٹی چاہتی ہے کہ مسلمان ہمارے قریب آئیں—— اور اس غلط فہمی میں مت رہنا کہ میں تمہارے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔ مجھے ایک ایک بات معلوم ہے۔ تم وانٹیڈ ہو اور کسی بھی وقت گرفتار ہو سکتے ہو۔''

''تم مجھے بلیک میل کر رہی ہو؟''

''نہیں حقیقت سے آشنا کرا رہی ہوں۔''

عرفان سرد پڑ گیا۔ اسے یقین نہیں تھا کہ وندنا اور احمر نے منجولا کو ساری باتیں بتا دیں ہیں۔ اسے بڑا دھکا لگا اور خاموش ہو جانا ہی بہتر سمجھا۔ منجولا سمجھ گئی کہ اس کا تیر ٹھیک نشانے پر بیٹھا ہے۔ وہ مسکراتی ہوئی کمرہ سے نکل گئی۔ عرفان کھڑا اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا پھر صوفے میں دھنس گیا۔ شاید پہلی بار کسی عورت سے شکست کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا۔ اس کی کیفیت ایک ہارے ہوئے کھلاڑی کی سی تھی جو نظر اٹھا کر نہیں چل سکتا تھا۔ عرفان کئی پل یوں ہی بیٹھا رہا۔ خاموش۔ اس کے پاس سے کئی موسم گزر گئے—— وہ جانتا تھا اس کے گھر میں بس ایک چھوٹا سا

اندھیرا گھس آیا تھا جس نے تمام گھر کو تاریک تر بنا دیا تھا۔ اس کا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کہیں بھی کوئی آواز نہیں۔ سب آوازیں نہ جانے کہاں معدوم ہو گئیں تھیں۔ عرفان نے سوچا——

اگر کوئی قدم اٹھایا تو سارے دروازے ایک آواز کے ساتھ ہمیشہ کے لئے بند کر دیے جائیں گے اور پھر وہ کتنا محتاج ہو جائے گا۔ صدیوں تک کے لئے وہ ایک پنجرے میں قید کر دیا جائے گا۔

آس پاس کے گھروں کے روشن دان، کھڑکیاں اور دروازوں کے پٹ کھل گئے ہیں۔ مگر اس کے گھر کو مکمل طور پر مقفل کر دیا گیا ہے جہاں سے وہ کبھی نہیں نکل سکے گا۔

یکا یک خاموشی ایک جھٹکے کے ساتھ ٹوٹ جاتی ہے۔ نہ جانے کہاں سے نکل پڑتا ہے پرندوں کا ایک بڑا سا غول—— عرفان کو سارا آکاش لال لال دکھائی دے رہا ہے، جیسے آسمان پر بہت سارے پرندوں کا خون کر دیا گیا ہے۔

کمہار کا چاک گھوم رہا تھا——'

اس کے ہاتھوں ڈھل رہے ہیں نت نئے کھلونے۔ مگر عرفان کے وقت کا چاک ٹھہر سا گیا ہے۔

اس پر اب کوئی ہاتھ نہیں بڑھ رہا ہے کچھ بنانے کو—— تخلیقی عمل لگ بھگ رک سا گیا ہے۔

تھوڑی دیر کے لیے اس کی آنکھیں جھپک سی جاتی ہیں مگر فوراً وہ آنکھیں کھول دیتا ہے کہ اسے ابھی انہیں آنکھوں سے بہت سے نشیب و فراز دیکھنے ہیں۔

عرفان اور منجولا کے درمیان ایک ایسی لکیر کھنچ گئی تھی جو روز بروز گہری اور تیکھی ہوتی جا رہی تھی۔ منجولا کے وجود کی چھایا میں ٹھنڈک کا احساس اب جاتا رہا

بلکہ سورج کی تپش، آسمان کی دھند کا احساس ہوا۔ ساتھ ساتھ اس کی روح میں کمتری کا ایک ایسا کانٹا چبھ گیا جس کے احساس سے وہ ابھی تک نابلد تھا۔

وہ جی رہا تھا مسلسل اور متواتر اور دیکھ رہا تھا اپنی آنکھوں کے سامنے وہ سب کچھ جس کو اس کی آنکھیں دیکھنا نہیں چاہتی تھیں۔ اس نے دیکھا——

آسمان کی طرف

کالے کالے بادل منڈلا رہے ہیں۔

کہیں یہ بادل میرے اندر ہی تو نہیں اتر آئے ہیں۔

سورج نکلا ہے یا سورج ڈوب گیا ہے؟

اس کی خوشی کا سورج تو کب کا غروب ہو چکا ہے۔

ساون برسا ہے۔

اس کی آنکھیں روز ساون بھادو کا منظر پیش کر رہی ہیں۔

سب کچھ اس کی دسترس سے باہر تھا۔ صرف مجولا کی ضد والے الفاظ اس کے تعاقب میں تھے اور وہ اس کی ضد بننے کی بازیافت میں مسلسل بھاگ رہا تھا——'

گھبرایا ہوا پریشان، عجیب وغریب حالت بنائے وہ بھاگ رہا تھا اور کوئی اسے ڈھونڈ رہا تھا۔ وہ دوڑ رہا تھا۔ سب کی نظروں سے خود کو چھپاتا پھر رہا تھا۔

مگر سب لاحاصل!

کیوں کہ اس کی زندگی کا کوئی مقصد نہیں تھا——،

○○

آج کی رات کچھ زیادہ تاریک تھی۔ چاند بادلوں میں روپوش ہو چکا تھا اور تارے کہیں آرام فرما رہے تھے مگر وقار جاگ رہا تھا۔ مسلسل کئی راتوں سے جاگ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں سے نیند کا خیمہ اکھڑ چکا تھا۔ رات آنکھوں میں کٹ رہی تھی اور ذہن سوچتے سوچتے ماؤف ہو چکا تھا۔ گھوم پھر کر اس کا ذہن ایک ہی سوال پر آ کر مرکوز ہو جاتا——

''میرا قصور کیا ہے؟''

اور اس کا جواب تلاش کرنے کے لئے وہ ماضی، حال اور مستقبل میں دوڑ لگاتا۔ تابناک ماضی، کشاکش حال اور غیر یقینی مستقبل—— وہ کیا کرے؟ ماضی کی تابناکیوں سے خوش ہو لے، کشاکش حال سے نبرد آزما ہے اور غیر یقینی مستقبل کو وہ دیکھنا نہیں چاہتا ہے۔ وہ سوچتا——

کیا احمر اور عرفان کی طرح خود سپردگی کر دے۔

یا پھر——!

احتجاج کی انتہا تک پہنچ جائے۔

اس کے جسم کے اندر کوئی ایسا بے چین پرندہ پھڑپھڑا رہا ہے جو اس قفس

سے اڑ جانا چاہتا ہے۔لمحوں کی قید میں گھرا ہوا وقار خود کو بے چین پرندہ محسوس کرتا
ہے۔بس ایک ہی لمحہ کا منتظر ہے کہ کب وہ اس قید سے آزاد ہو جائے۔

وہ سوچ کر پریشان ہو اٹھتا ہے اور اس کی آنکھوں سے نیند غائب ہو جاتی
ہے۔وہ اپنے بستر پر لیٹا چھت کو گھورتا رہتا ہے۔اور ذہن چھت کو عبور کر کے
بہت دور کا سفر طے کر آتا ہے۔اب اس کے سامنے ایک اور سوال سانپ کی طرح
پھن پھیلائے کھڑا ہو جاتا ہے——

''اب کیا ہوگا؟''

''کیا اس کی رہائی ممکن ہے؟''

اور اگر چھوٹ بھی گیا تو ظاہر ہے پولس کی اس پر نظر ہوگی۔ وہ مشکوک
نگاہوں سے دیکھا جائے گا۔اسے وہ سارے کام چھوڑنے ہوں گے جواب تک کر
رہا تھا۔ پھر اس کی زندگی کا مقصد کیا رہ جائے گا۔لوگ مذاق الگ اڑائیں گے۔
چلا تھا قوم کا بھلا کرنے، چاروں شانے چت ہو گیا—— اس کا جینا مشکل
ہو جائے گا اور وہ ذلت آمیز زندگی جینے کے لئے قطعی تیار نہ تھا——

تو پھر وہ کیا کرے؟

وقار کے سامنے دو ہی راستے تھے۔

حالات سے سمجھوتہ یا انتہا پسندی!! وہ کوئی فیصلہ نہیں کر پاتا ہے۔اور نہ جانے
کب نیند کی دیوی اس پر مہربان ہو جاتی ہے اور اسے اپنی آغوش میں لے لیتی
ہے۔

○○

جب وقار کی آنکھ کھلی تو سورج نکل آیا تھا——

وہ اٹھ کر بیٹھ گیا۔اسے تھکان کا احساس ہو رہا تھا۔رات دیر تک جاگنے سے
آنکھیں بھی بوجھل تھیں۔وہ اٹھا اور ضروریات کے لئے باہر آ گیا۔

ابھی دس ہی بجے تھے کہ کوئی اس سے ملنے آ گیا۔اسے تعجب ہوا۔کون ہو سکتا
ہے۔ضرور سفیر ہوگا۔وہ بھی ناحق میری خاطر پریشان ہو رہا ہے۔عافیہ بھی ہو سکتی
ہے—— عافیہ کو بار بار یہاں نہیں آنا چاہئے تھا۔مانا وہ مجھ سے محبت کرتی ہے اور
اس کا دل نہیں مانتا لیکن اب اسے سب کچھ بھول جانا چاہئے۔کیوں کہ میں ایک
غیر یقینی زندگی جی رہا ہوں—— اسی ادھیڑ بن میں وہ ملاقاتی کمرہ میں آ گیا۔

ایک اجنبی اس کے سامنے کھڑا تھا۔اس نے ادھر ادھر دیکھ کر سرگوشی کے
انداز میں کہا——

''میں ابو ہاشم کا آدمی ہوں۔آپکے بارے میں ہم لوگوں کو پوری معلومات
ہے۔اب آپ کی رہائی ممکن نظر نہیں آتی۔جتنے اور جیسے دفعات آپ پر لگائے گئے
ہیں ان میں آپ کو کبھی ضمانت نہیں مل سکتی۔ہم جانتے ہیں کہ آپ قوم پرست ہیں
اور قوم کی فلاح کے لئے ہی لڑتے ہوئے اس حال کو پہنچے ہیں۔ہم چاہتے ہیں کہ

آپ کا عزم نہ ٹوٹے۔ آپ اسی طرح کام کرتے رہیں جیسے پہلے کر رہے تھے۔ ہاں نوعیت ضرور بدل جائے گی مگر آپ کا نصب العین وہی ہوگا۔ اگر آپ کہیں تو ہم لوگ آپ کی مدد کر سکتے ہیں۔''

وقار سوچ میں پڑ گیا۔ اسے قطعی امید نہ تھی کہ اس کی مدد کو اس طرح کے ہاتھ بھی آگے آ سکتے ہیں۔ وہ تذبذب میں پڑ گیا۔ وہ آدمی پھر گویا ہوا——

''وقار صاحب ہم آپ کو با آسانی یہاں سے نکال سکتے ہیں۔ ورنہ آپ کی زندگی جیل ہی میں ختم ہو جائے گی اور آپ کا مشن ادھورا رہ جائے گا۔''

وقار سخت کشمکش سے دوچار ہو گیا۔ ایک طرف غیر یقینی صورت حال اور دوسری طرف یہ ہاتھ۔ وہ کیا کرے۔ وقار اس اجنبی کو غور سے دیکھتا ہے۔ وہ اجنبی پھر گویا ہوتا ہے۔

''وقار صاحب میں جانتا ہوں آپ کے اندر جنگ چل رہی ہے کہ آپ کیا کریں۔ کون سا فیصلہ کریں۔ ہمیں بھی کوئی جلدی نہیں ہے۔ آپ اطمینان سے سوچ لیں۔ آپ کی اگلی پیشی ۲۴ر جولائی کو ہے۔ اس سے پہلے آپ کو فیصلہ کر لینا ہے۔ کیونکہ ہم جو بھی کر سکتے ہیں جیل سے باہر کر سکتے ہیں۔ میں چلتا ہوں۔ دو دن کے بعد میرا آدمی آپ کے پاس آئے گا۔ آپ اسے اپنے فیصلے سے آگاہ کر دیجئے گا۔ اچھا خدا حافظ!''

وہ اجنبی پھر وہاں رکا نہیں اور بغیر ادھر ادھر توجہ دیئے وہاں سے نکل گیا۔ وقار اسے جاتے ہوئے دیکھتا رہا——'

اور جب وہ اپنے بیرک میں واپس لوٹا تو اس کے اندر واقعی ایک کشمکش ایک جنگ شروع ہو چکی تھی——

زندگی بھی کیا کیا کھیل دکھاتی ہے۔

کوئی اس کھیل میں جیت جاتا ہے۔

کوئی شکست سے دوچار ہوتا ہے،

اور کوئی اپنی زندگی ختم کر دیتا ہے۔

وقار کو ذرہ برابر بھی امید نہ تھی کہ اس کی مدد کو اس طرح کے ہاتھ خود بخود سامنے آ جائیں گے۔ وہ کبھی خود کو مجبور و بے بس تصور کرتا تو کبھی بے حد توانا کہ اگر وہ چاہے تو اک ہی جست میں بلندی تک پہنچ سکتا ہے مگر اس کے لئے والدین، رشتے دار اور عافیہ کو بھی چھوڑنا ہوگا۔ عافیہ! جو اس کے انتظار میں آنکھیں بچھائے بیٹھی ہے۔

جو اس سے بے حد پیار کرتی ہے۔

اس کے لئے فکر مند رہتی ہے اور راتوں کو تکیہ میں چہرہ چھپا کر روتی ہے——

یہ بات اس کی امی نے بتائی تھی جب وہ وقار سے ملنے آئی تھیں۔ انہوں نے یہ بھی کہا تھا کہ——

''وقار اگر تو جلد چھوٹ گیا تو تیری شادی عافیہ سے کر دیں گے۔ وہ تجھے بے حد چاہتی ہے۔ تیرے ابو اور چچا نے بھی آپس میں باتیں کر لی ہیں۔''

وقار خاموشی سے ماں کی باتیں سنتا رہا۔ کوئی جواب نہیں دے پا رہا تھا مگر ماں کے جانے کے بعد اس نے عافیہ کے بارے میں گہرائی سے ایک بار سوچا ضرور تھا۔ کیوں کہ اتنے دنوں تک کام کی مصروفیت نے اسے سوچنے کا موقع ہی نہیں دیا تھا۔ اس کے دل کے کسی گوشے میں عافیہ کے لئے پیار کی ایک چھوٹی سی چنگاری سلگتی ہے اور اس کے دل کو روشن کر دیتی ہے۔

عافیہ کا مسکراتا چہرہ اس کے سامنے نمودار ہوتا ہے——

''عافیہ کیا واقعی تم مجھ سے پیار کرتی ہو؟'

عافیہ اثبات میں سر ہلاتی ہے۔

''تم نے دل بھی لگایا تو کس دیوانے سے جو تمہارے پیار کو سمجھ نہ پایا۔

عافیہ مسکراتی رہتی ہے جیسے کہہ رہی ہو میں بھی تو تمہارے پیار میں دیوانی ہو چکی ہوں۔

وقار عافیہ کو بغور دیکھتا رہتا ہے اور اچانک اٹھ کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لینا چاہتا ہے مگر وہ وہاں موجود نہ تھی۔ اسے ندامت سی محسوس ہوتی ہے اور وہ اپنی جگہ پر آ کر بیٹھ جاتا ہے۔۔۔۔'

○○

کل اور آج میں کتنا فرق تھا۔ کل وقار کی زندگی میں ایک میلہ سا لگا تھا، شور تھا۔۔۔۔ اور آج میلہ اجڑ چکا تھا۔ طنابیں ٹوٹ چکی تھیں، اجزاء بکھر گئے تھے اور آہستہ آہستہ اب اس کے نشان بھی معدوم ہوتے جا رہے تھے۔ ایسے میں وقار باہر کی طرف نگاہ کرتا ہے۔۔۔۔ اب تو کچھ بھی نہ رہا۔ رہ گئی فقط تنہائیاں اور جیل کی دیواریں۔

ابو ہاشم کا آدمی اس کا فیصلہ جاننے کے لئے سامنے کھڑا تھا۔ وقار نے صاف لفظوں میں انکار کر دیا۔ وہ اس کے راستے پر نہیں چل سکتا۔ وہ آدمی خاموشی سے واپس ہو گیا۔ حالانکہ اس فیصلے کے بعد وقار کے اندر ایک جھرجھری سے آئی تھی مگر اعتماد کے پاؤں مضبوط ہو گئے اور وہ فیصلہ سناتے وقت ذرا بھی نہیں ڈگمگایا۔

وقار فیصلے کے بعد جب بیرک میں واپس آیا تو کچھ مایوس سا نظر آیا۔ اب ایک غیر یقینی صورت حال اس کے سامنے تھی۔ اس نے سوچا۔ کاش اس وقت سفیر یا عافیہ ہوتی تو اسے ڈھارس بندھ جاتی تا کہ اس کے دل کو کچھ سکون میسر آتا مگر سفیر کے پاس دیگر مصروفیات تھیں اور عافیہ کو بار بار آنے کے لئے اس نے خود منع کر دیا تھا۔۔۔۔'

اس کی آنکھیں مُند گئیں۔ دو موٹے موٹے قطرے آنکھوں کے سمندر سے نکل کر رخسار کے سلگتے صحرا میں پیوست ہو گئے۔ وہ اکیلا تھا، بالکل تنہا۔ بن بادل اور پیاس سے بھرا جو پانی تلاشتا ہوا بہت دور نکل آیا تھا۔ کسی طویل صحرا میں۔ جہاں آ کر وہ اپنا راستہ بھول بیٹھا تھا۔

سورج ڈوب چکا ہے۔ رات قدم رکھ چکی ہے۔ وقار گھبرا گیا۔ وہ آنے والے وقت سے اکثر خوف زدہ سا رہنے لگا۔ ہوا تیز اور تیز چلنے لگی——

یہ پاگل ہوا کہاں اڑا کر لے جائے گی؟''

وقار لمحہ بھر رُک کر سوچتا ہے۔ رات کا پہلا پہر بھیگ چکا ہے۔ جس میں اسکا وجود بھی اب بھیگنے لگا ہے۔ کروٹ بدلتے ہوئے اس نے آنکھیں کھولیں۔

سامنے اونچی اونچی دیواریں تھیں۔ ہیبت ناک دیواریں۔ جہاں اندھیروں کی حکومت تھی۔ تاریکی کا راج تھا جو اس پر مسلط ہو رہی تھی اور وہ اس ظلمت سے چھٹکارا پانا چاہتا تھا مگر اجالا ابھی دور تھا بلکہ وقت کے اتھاہ سمندر میں غوطہ زن تھا۔ اور اس انتظار میں تھا کہ کوئی سمندر منتھن کرنے والا آئے اور اس اجالے کو سمندر سے نکال کر اس کی تاریک زندگی کو روشن کر دے۔

○○

رات بیتی، پھر صبح ہوئی، پھر دھوپ کھلی، پھر شام ہوئی۔ اور پھر رات! یہ عمل نہ جانے کب سے جاری ہے۔ ایک دن کے بعد دوسرا دن آنے میں وقت بھی کتنا ہوتا ہے——'

کتنے ہی دن بیت گئے تھے وقار کو عافیہ سے جدا ہوئے۔ وقت کتنا بے رحم ہو گیا تھا۔ وہ ہر پل دوسرے پل کا انتظار کر رہا تھا کہ اس کی آنکھ جلد ہی آنے والا پل دیکھنا چاہ رہی تھی یا ایک ہی بار میں وہ پل آ جائے کہ لمحہ لمحہ، بوند بوند جینے کا عمل ہی ختم ہو جائے۔ پلوں کی ساری پونجی جلد ختم ہو جائے——'

وقار نے ایک ہلکی سی سانس لی اور آسمان کی طرف اپنی نظریں اٹھائیں۔ آسمان صاف تھا مگر اس کی آنکھیں پانی سے بھر گئیں۔

رات تیزی سے بھاگ رہی تھی اور وہ ابھی تک جاگ رہا تھا۔ سوچ کے دائرے اسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھے۔

اندھیرا............!

تاریکی............!

ظلمت............!

جو چھپا دیتی ہے سارے سکھ اور اجاگر کر دیتی ہے بس دکھ، صرف غم، جو لکھتی رہتی ہے قصے، کہانیاں اور افسانے —— جنہیں سن کر انسان رونے لگتا ہے۔ انسان کا دل آنسو بہاتا ہے۔ جو جذبات کو لہولہان کر دیتا ہے۔ حسرتوں اور تمناؤں کا گلا گھونٹ دیتا ہے۔ اجالوں کو نگل لیتا ہے اور خوشی کو اپنے اندر جذب کر لیتا ہے——'

وقار کا درد بڑھتا ہے۔ اس کی تقدیر کی کتاب کے ہر باب کا عنوان تھا 'درد—— درد جو اس کی زندگی کا حصہ بن گیا تھا۔ غم جو اس کا مقدر تھا۔ اس نے محسوس کیا کہ اس کی زندگی بس صحرا ہے۔ ہونٹ سوکھ چکے ہیں۔ پیاس کی شدت بڑھ گئی ہے۔ آنکھیں آگ کی مانند جل رہی ہیں اور پاؤں بدن سے علیحدہ ہو کر پانی کے کسی چشمے کی تلاش میں سرگرداں ہیں۔ مگر مہیب اندھیرا اسے اپنی گرفت میں ہر بار لینے کوشش کرتا ہے اور وہ اس سے نجات کا راستہ تلاش کرتا ہے مگر سارے راستے بند ہو چکے ہیں۔

وقار جینا چاہتا تھا——

اپنے والدین کے لئے!

عافیہ کے لئے......!!

اور پوری قوم کے لئے!!!

مگر ہر سمت موت کی دستک ہو رہی ہے۔

کسی انہونی سمت یا کسی انوکھی دشا سے کوئی اس کے وجود پر حملہ کر رہا ہے——

آنکھیں نیند سے بوجھل ہو رہی ہیں۔

مگر وقار جاگنا چاہتا ہے۔

کیوں کہ جب اس کی آنکھ بند ہوتی ہے تو جیسے موت دستک دینے لگتی ہے۔

کوئی اسے پکارتا ہے۔

میں آ رہی ہوں۔

میں آ رہی ہوں۔

میں آ رہی ہوں۔

اور وہ ہڑبڑا کر اٹھ جاتا ہے۔

○○

عافیہ نے گھر کی چہار دیواری میں خود کو مقید کر لیا تھا۔ رات رات بھر وہ چھتوں کو گھورتی رہتی۔ چاند اس کی پہنچ سے بہت دور تھا۔ وہ فقط چاند کو دیکھ سکتی تھی۔ اس نے کھڑکی کی طرف چہرہ گھما لیا۔ چاند بادل میں روپوش ہو رہا تھا۔ اندھیرے نے اُسے اپنی آغوش میں لے لیا تھا۔ چاند کا وجود بادل کا اسیر ہو چکا تھا۔ عافیہ گھبرا جاتی ہے کہیں اس کا چاند بھی ہمیشہ کے لئے روپوش نہ ہو جائے پھر تو اس کی زندگی تاریکی کا سمندر بن کر رہ جائے گی جس میں وہ تا عمر غوطہ زن رہے گی۔

بے صدا

بے زبان

بے جان

کوئی ہلچل، کوئی جنبش نہیں

سارے منظر سیاہیوں کی نذر ہو کر رہ جائیں گے اور اداسیوں میں وہ ہمیشہ کے لئے ڈوب کر رہ جائے گی جس میں——

دھڑکن

نغمہ

تبسم

خوشی

کچھ بھی تو باقی نہیں رہ جائے گا

اور رہ جائے گا

غم

المیہ

زندگی کا!

عافیہ سوچتی............

کہاں گئے وہ دن

جب چمکتی دھوپ میں ہر شئے

شاد اور خوش تھی——

ٹھنڈی ہوا کہ ہر جھونکے پر

ارمان جوان ہو رہے تھے

اور ان کی تکمیل کی جانب

وہ بڑھ رہی تھی

مگر جیسے ہوا کے ایک جھونکے نے سارے ارمانوں کا خون کر دیا تھا اور ایک غیر یقینی صورت حال سامنے تھی۔

وہ کیا کرے؟

فیصلہ اسے کرنا تھا!

کیوں کہ گھر والوں کا دباؤ بڑھ رہا تھا۔

وقار کو قید ہوئے تین سال کا وقفہ گزر چکا تھا اور اسکی رہائی کی لگ بھگ کوئی

امید اب باقی نہ رہی تھی۔ اس لئے عافیہ کے گھر والوں نے رشتہ تلاش کرنا شروع کردیا تھا اور اسکی خبر عافیہ کو بھی دے دی گئی تھی کہ وہ خود کو شادی کے لئے تیار رکھے۔

اس کی آنکھوں میں گرد اڑنے لگے۔

بیتے لمحوں کی حکایتوں کی بازگشت سنائی دینے لگی۔ وہ روتے روتے کبھی سوجاتی، کبھی جاگ جاتی۔ پھر تھک کر سوجاتی اور اچانک اس کی آنکھ کھل جاتی۔ تب یکا یک اس کو آسمان پر آدھا کٹا چاند نظر آتا —— جیسے اس کا وجود اب مجروح ہوگیا ہے چاند پر خاک پڑ چکی ہے۔

اس کی آنکھیں بند تھیں لیکن وہ دیکھ رہی تھی ——

اپنا تاریک مستقبل ——

نیلے سمندر میں اس کی دو موٹی موٹی آنکھیں ناؤ کی طرح تیر رہی تھیں۔ ان آنکھوں میں گئے دنوں کی یادیں تھیں جو سمندر کے سینے پر پھیلتی چلی جا رہی تھیں۔ عافیہ نے محسوس کیا کہ سمندر پر کسی نے کالی چادر تان دی ہے۔ اس نے غنودگی کے عالم میں کسی کو پکارا۔ خاموشی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اس نے پھر پکارا۔ اس کی آواز اس کے ہی کانوں میں ٹوٹ کر رہ گئی۔

اس نے چیخنا چاہا ——'

مگر اس کی آواز حلق میں دب کر رہ گئی۔

تبھی آنکھ کھل گئی۔

اس نے دیکھا ——

دن بھر کا تھکا ماندہ چڑا گھونسلے میں آچکا ہے اور چڑیا اس کی آمد پر چیں چیں کر کے اس کا خیر مقدم کر رہی ہے۔

اس نے اپنی آنکھوں میں ایک چبھن محسوس کی۔ آج شدت سے اسے دکھ کا

احساس ہوا۔

چراغ کی لو ٹوٹ گئی ہے مگر اس کی آنکھیں جلتی رہتی ہیں اور نہ جانے کب تک جلتی رہیں گی۔

○ ○

عرفان اور منجولا حالانکہ زندگی کے سفر میں ایک ساتھ چل رہے تھے لیکن اس سفر کے درمیان ایک لکیر سی کھنچی ہوئی تھی۔

عرفان اُداس تھا۔ اسے اپنا چھوٹا سا گھر یاد آ رہا تھا۔

ماں یاد آ رہی تھی۔

وہ اسکول یاد آ رہا تھا جہاں اس نے تعلیم حاصل کی تھی۔ جہاں دن بھر وہ اپنے دوستوں کے ساتھ رہتا تھا بلکہ شام کو بھی دوستوں کے ساتھ اسکول کے میدان میں فٹ بال کھیلنے پہنچ جاتا تھا۔

ان دوستوں کے چہرے باری باری سے یاد آنے لگے جس کے ساتھ اس نے حسین پل گزارے تھے۔

اس نے اپنی آنکھیں موند لیں کہ کھلی آنکھوں سے جو کچھ اس نے دیکھا تھا وہ اس کا نہیں تھا بلکہ اب وہ ایک خواب بن چکا تھا۔ اس کی محفوظیت کی ساری چھتیں ٹوٹ کر بکھر گئی تھیں اور پناہ کے لئے کسی کو پکار رہا تھا مگر وہاں کوئی موجود نہ تھا۔ اس کے قدم لرز رہے تھے۔ اس کے وجود کا ہر انگ پسینے کی بوندوں کی طرح سردی بھری فضا میں تھرتھرا رہا تھا۔ ایک خوف تھا جو اسے اندر ہی اندر کھوکھلا کئے جا رہا تھا۔ اس نے بھاگنا چاہا لیکن بھاگ نہ سکا کہ بھاگ کر جاتا کہاں۔ ساری دیواریں تنگ و تاریک ہو چکی تھیں۔ جس میں اس کا وجود سمٹ کر رہ گیا تھا۔ اس کا خوف گہرا ہوتا جاتا ہے۔

اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔

وہ دھیمے دھیمے بدبداتا ہے۔

اے خدا!

مجھ پر رحم کر۔

مجھے کوئی راستہ دکھا

میں تو ایک بھٹکا ہوا انسان ہوں۔

میں سورج کو چھونا چاہتا تھا۔

لیکن میرا ہی وجود اس میں جھلس کر رہ گیا ہے۔

عرفان سوچ کے سمندر میں گم تھا کہ منجولا نے اپنے ہاتھوں کے سایوں سے عرفان کی پلکوں کو چھپکا دیا ——

"اس گھر میں میں بھی رہتی ہوں —— منجولا مسکرا رہی تھی۔ آج کل تم بہت زیادہ سوچنے لگے ہو۔ سوچنے سے عمر کم ہوتی ہے اور دل پر اثر پڑتا ہے اور تمہارے دل پر میرا نام لکھا ہے۔ میں اس نام کو مٹتا نہیں دیکھ سکتی ——"

منجولا کا جملہ عرفان پر کوئی اثر قائم نہ کر سکا بلکہ اداسی کی ایک چمک سی پیدا ہوئی اور وہ لڑکھڑا گیا۔ اسے لگا جیسے اس کی سوچ کے سمندر میں کسی خوفناک سؤر نے چھلانگ لگا دی ہے اور سمندر کا سارا پانی آلودہ ہو گیا ہو۔

اس نے بے بسی سے منجولا کو دیکھا۔ جو اپنا تبسم بکھیرے جا رہی تھی۔ اور اس کے جملے کے معنی تلاش کرنے کی کوشش کرنے لگا۔

گھر ——!

گھر کوئی لفظ نہیں۔

جسے ادا کر دینے سے مکمل ہو جاتا ہے۔

گھر وہ گھر ہوتا ہے،
جو محبت کی لکڑی سے بنتا اور خلوص کی مٹی سے گڑھا جاتا ہے۔ ایسے گھر کو کوئی خطرہ نہیں ہوتا۔

ورنہ ——

بادل کے گرجنے سے سہم جاتا ہے۔
ہوا کے چلنے سے لڑکھڑا جاتا ہے۔
پانی کے بہنے سے ڈوب جاتا ہے۔
اور آگ کے بھڑکنے سے جل جاتا ہے۔

عرفان کی سمجھ میں کچھ نہ آیا کہ منگولا کو کیا جواب دے۔

اس وقت وہ رموز کی لہروں میں تھی، بے حد پراسرار اور پیچیدہ معلوم ہوئی۔ اس نے اسے پڑھنے کی کوشش کی۔ وہ کچھ کہنا چاہتا تھا مگر پتھر کی طرح شانت رہا۔ کچھ بھی نہ کہہ سکا۔

جب کئی پل اسی طرح گزر گئے تو منگولا آگے بڑھی۔ اس نے عرفان کے سینے کے جنگل کو ٹٹولا۔ عرفان میں بھی جنبش سی ہوئی۔ منگولا نے اپنے تپتے ہونٹ اس کے ہونٹ پر رکھ دیے۔ پھر اس نے عرفان کے ماتھے پر محبت کے بوسے کا پورا چاند بنا دیا۔ عرفان سمجھ نہ پایا کہ آج اس پر یہ پیار کا سمندر کیوں لٹایا جا رہا ہے۔
اس نے سنا منگولا کہہ رہی تھی ——

”میں تم میں سما جانا چاہتی ہوں عرفان، ہمیشہ کے لئے۔ مجھے اپنے اندر چھپا لو کہ میں تم میں لین ہو جاؤں۔“

عرفان زبان سے کچھ نہ بولا مگر اس کی گرفت بھی مضبوط ہوتی چلی گئی......!

سورج ڈوب چکا ہے۔ رات قدم رکھ چکی ہے۔

عافیہ کتنی ہی دیر سے آئینے کے سامنے بیٹھی اپنے چہرے کو نہار رہی ہے۔ اس کا چہرہ چاند کی طرح گول ہے۔ اوپر والے نے اسے کس قدر حسین بنایا ہے۔ کالے سیاہ بال۔ تیکھے نقوش ——'

لیکن اس کے اندر ایک بیکلی سی ہے۔
کہیں بھی کوئی آواز نہیں۔

ساری کی ساری آوازیں نہ جانے کہاں کھو گئی ہیں۔ اس نے کون سا گناہ کیا ہے۔ کون سا پاپ کیا تھا جو اس کا سب کچھ چھن گیا۔ خوشی —— شانتی —— اور چین، سکون۔

یہ سب کیسے ہو گیا اور کیوں کر ہوا؟
جس کے لئے وہ کبھی تیار نہ تھی۔
یہ کیسا منظر تھا؟
جہاں آرزوؤں کا خون ہو رہا تھا۔
تمنائیں سسک رہی تھیں۔
اور حسرتیں بے پناہی کے عالم میں دربدر ٹھوکریں کھا رہی تھیں۔

اس نے محسوس کیا——

کہیں وہ آئینہ کے سامنے جیتی جاگتی پتھر کا بت نہ بن جائے۔ کہیں اس کی آواز بند نہ ہو جائے اور آنکھیں اپنی بینائی نہ کھو دیں۔ پھر وہ کتنی محتاج ہو جائے گی۔ وہ ایک تھکے ہارے پرندے کی طرح خود کو نڈھال بستر پر گرا دیتی ہے۔ آنکھیں موند لیتی ہے۔ آنسو کا کوئی قطرہ نکل کر بہہ جاتا ہے۔ آسمان میں سب روپوش ہو چکے ہیں اور سیاہی نے اپنی چادر تان دی ہے۔

اس کی ساری کوششیں رائگاں چلی گئی تھیں۔ وہ وقار کو رہا کرانے میں ناکام رہی تھی۔ اس کا چاند کب کا غروب ہو چکا تھا اور وہ سیاہی کا ایک حصہ بن کر رہ گئی تھی۔ عافیہ نے ایک ہلکی سی سانس لی——

اس کا وجود اس پر ہی بوجھ بنتا جا رہا تھا۔

کتنے ہی دن بیت گئے تھے وقار کو دیکھے ہوئے۔

غالباً مہینہ——

نہیں دو مہینے——

نہیں سال——

نہیں صدیاں——

اسے اب کچھ یاد نہیں رہ گیا تھا۔ والدین نے سختی سے منع کر دیا تھا کہ اب اس کا ملنا ٹھیک نہیں۔ رشتہ طے ہو گیا ہے اور جلد ہی اس کی شادی کر دی جائے گی۔

آخری بار جب عافیہ ملی تھی تو وقار کتنا بوڑھا لگ رہا تھا۔

بڑے بڑے بال—— بڑھے ہوئے شیو اور سیاہ ہوتا چہرہ—— جیسے مہینوں سے اس نے غسل نہ کیا ہو۔ عافیہ اسے دیکھ کر رو پڑی تھی۔

وقت کتنا بے رحم ہو گیا تھا——'

وقار جی رہا تھا مسلسل اور متواتر۔ وہ اپنی آنکھوں کے سامنے اپنی خوشی کا جنازہ اٹھتا ہوا دیکھ رہا تھا۔

سورج کب کا ڈوب چکا تھا۔ لیکن عافیہ کو لگا ابھی آسمان کے کسی گوشے سے سورج نمودار ہو جائے گا اور ہر طرف روشنی ہی روشنی بکھر جائے گی۔ اس کی زندگی میں بھی اجالا بھر جائے گا۔

ساون برسے گا۔

وہ بارش میں اپنے وجود کو شرابور کرے گی۔

انگ انگ کو بھگوئے گی۔

اور اپنی روح کو بھی سیراب کرے گی۔

مگر وہ ساون کب برسے گا؟''

کتنے ساون گزر گئے تھے اور اسے پتہ بھی نہیں چلا تھا۔ اس کے لئے تو ہر موسم خزاں کا موسم ہوتا۔ ستم رسیدہ جو اس کی خوشیوں کے شجر کو برہنہ کر گیا تھا اور وہ تپتی دھوپ میں کب سے تنہا کھڑی تھی۔

کوئی سہارا پاس نہ تھا۔

اس کا سہارا اس سے چھن چکا تھا۔ اس کی منزل راہ میں ہی کھو گئی تھی۔ منزل تک پہنچنے والے سبھی راستوں پر کانٹے بچھا دیئے گئے تھے——'

ہر پل انتظار—— محض انتظار——!

کوئی معجزہ ہو جائے اور اس کا وقار قید کی صعوبتوں سے آزاد ہو کر ہمیشہ کے لئے اس کے پاس آ جائے۔ پھر کبھی نہ جانے کے لئے۔

اس کا سارا بدن جلنے لگتا ہے۔

انتظار کی ساری پونجی اب ختم ہونے والی تھی کیوں کہ اگلے مہینے ہی اس کی

شادی کی تاریخ طے کر دی گئی تھی۔ اب وہ وقار سے کبھی نہ مل سکے گی۔

کیسے بھول پائے گی وہ وقار کو۔ اس کی یادوں کو۔

اسے اپنے دل کا دروازہ ٹوٹتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ جیسے زور زور سے کوئی دستک دے کر اسے توڑنے کی کوشش کر رہا ہے۔ ایک جھٹکے کے ساتھ دروازہ ٹوٹتا ہے اور وقار کی تصویر اس کے دل کے فریم سے نکال کر کوئی دور پھینک دیتا ہے۔

کون تھا وہ؟

جو اس کے وجود کو مجروح کر دینا چاہتا تھا۔

کون آ رہا تھا اس کے پاس؟

کون اس کے دل کے فریم میں اپنی تصویر آویزاں کرنا چاہ رہا ہے۔

اسے لگتا——

سارا گھر روشنیوں سے بھر گیا ہے۔

ہر طرف برقی قمقمے جگمگا رہے ہیں۔

گھر کے سارے افراد خوش ہیں۔

گھر مہمانوں سے بھر گیا ہے۔

کیا وہ اب ہمیشہ کے لئے دوسرے کی ہو جائے گی۔ اس کی جس نے اسے کبھی نہیں دیکھا۔ اسے پیار نہیں کیا۔ اسے چاہا نہیں!——

نہیں!

ایسا نہیں ہو سکتا۔

میں وقار کو دھوکہ نہیں دے سکتی۔

اس سے بے وفائی نہیں کر سکتی۔

میں اس کے اعتماد کو ٹھیس نہیں پہنچا سکتی۔

اس کے دل پر کیا گزرے گی۔

وہ ٹوٹ کر رہ جائے گا۔ بکھر جائے گا وہ۔

اس کا وجود مجروح ہو جائے گا۔ سبھی لوگوں نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا تو کیا وہ بھی اس کا ساتھ چھوڑ دے۔

نہیں!

نہیں!

نہیں!

وہ رات کے زیر سایہ گھڑی دن کا انتظار کرنے لگی کہ کب دن نمودار ہو اور وہ سفیر سے ملاقات کر کے اس کا حل تلاش کرے۔

○ ○

جب سفیر نے دروازہ کھولا تو عافیہ کو سامنے پایا۔ اسے حیرت نہ ہوئی۔ عافیہ اکثر و بیشتر اسکے پاس آتی رہی تھی۔ ادھر مہینوں بعد سفیر نے عافیہ کا چہرہ دیکھا تھا۔

''آؤ اندر آجاؤ''—— سفیر دروازے سے ہٹ گیا۔ عافیہ گھبرائی سی پریشان بھرا چہرہ لئے اندر آگئی اور سامنے کی کرسی پر بیٹھ گئی۔ سفیر اپنی مخصوص کرسی پر بیٹھ گیا جس پر بیٹھ کر زیادہ تر لکھتا رہتا تھا۔

''کہو کیسے آنا ہوا۔کوئی خاص بات ہے؟''

''وہ..........وہ.........'' عافیہ کہہ نہیں پا رہی تھی ....'' وہ میری ...... شادی......... طے ہوگئی ہے''۔ عافیہ نے ذرا رک کر پھر ایک جھٹکے میں پورا جملہ ادا کر دیا اور سفیر کے چہرے کے تاثر کو پڑھنے لگی۔

''یہ بہت بُرا ہوا''.......... سفیر سنجیدہ ہوگیا.........''تمہارے ابو کو ابھی مزید انتظار کرنا چاہئے تھا۔ ابھی امید باقی ہے۔ ہم لوگوں نے انسانی حقوق کمیشن میں درخواست دی ہے جس پر جلد کاروائی ہونے والی ہے اور مجھے امید ہی نہیں یقین ہے کہ مہینے دو مہینے میں وقار ضرور چھوٹ جائے گا۔''

''شادی کی تاریخ بھی طے ہوگئی ہے''—— عافیہ نے سفیر کو مزید چونکا دیا۔
سفیر عافیہ کا چہرہ تکنے لگا۔

''تم نے احتجاج نہیں کیا؟''—— سفیر نے افسوس کرنے کے بجائے

سیدھا سوال کیا۔

''بہت کیا۔ احتجاج کرتے کرتے اب تھک گئی ہوں۔ آخر میں ایک لڑکی ہوں۔ ہر آدمی سمجھا بجھا کر دبانے کی کوشش کرتا ہے۔ کبھی سختی بھی کی جاتی ہے۔ گھر میں کوئی ایسا نہیں ہے جو میرا ساتھ دے۔ میری باتوں کو سنے، سمجھے یا میرے والدین کو سمجھانے کی کوشش کرے۔ سبھی میرے دشمن ہیں۔ وقار کے دشمن ہیں''—— عافیہ جذباتی ہوگئی۔ وہ رو پڑی۔

عافیہ تم ٹھیک کہہ رہی ہو۔ آخر تم کہاں تک احتجاج کر پاتی۔ جب سب کچھ تمہارے مخالف ہے۔''

''تو میں کیا کروں۔ میرا دل کرتا ہے کہ خودکشی کرلوں۔''

''نہیں بھول کر بھی ایسا نہ کرنا۔ خودکشی بزدل کیا کرتے ہیں۔ تم ایک باحوصلہ لڑکی ہو۔ تم حالات کا مقابلہ کرو۔''

''اب وقت نکل گیا ہے۔ اتنے دنوں تک میں ٹالتی آرہی تھی لیکن یہ شادی شاید اب نہیں ٹل سکے گی۔ اور میں وقار کے علاوہ کسی دوسرے سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔''

''عافیہ، انسان اپنے طور پر ہر ممکن کوشش کرتا ہے کہ وہ حالات کو اپنے موافق بنالے لیکن دنیا کا نظام اور سماجی بندشیں اس کے سامنے دیوار بن کر کھڑی ہوجاتی ہیں جہاں انسان خود کو مجبور اور بے بس تصور کرتا ہے۔ تم ایک ایسے سماج کی پروردہ ہو کہ بغاوت اور احتجاج کی ایک حد ہے اور اس حد سے تم آگے نہیں جاسکتی۔''

''پھر میں کیا کروں۔ کوئی حل کوئی راستہ بتایئے۔''

''وقار اگر جیل سے باہر ہوتا تو بہت راستے تھے لیکن اس کی غیر موجودگی میں ہم کر بھی کیا سکتے ہیں۔ کیوں کہ یہ معاملہ شادی کا ہے اور جس سے شادی ہونی ہے

وہ آزاد نہیں ہے۔''

''تو کیا میں ہمیشہ ہمیشہ کے لئے مقید ہو جاؤں؟ اپنے لئے وہ قفس تیار کرلوں جس میں زندگی بھر قید رہنا ہے؟ خوشی خوشی وہ زنجیر پیروں میں ڈال لوں جس کی جھنکار زندگی بھر سنی ہے۔''—— عافیہ جذباتی ہوگئی۔

''عافیہ جذبات پر قابو رکھو۔ جذبات میں ہر کام خراب ہوتا ہے۔ اور کوئی بھی قدم اٹھانے سے پہلے اس پر خوب غور کرلو کیوں کہ یہ زندگی کا سوال ہے۔ اور اس سے ایک نہیں کئی زندگیاں وابستہ ہیں۔''

''وقار کے بنا میری زندگی کا کوئی مقصد نہیں۔ میں صرف وقار کے لئے بنی ہوں اور میری روح میں صرف وقار بسا ہے۔ میں اسے خود سے کبھی الگ نہیں کرسکتی۔''

''عافیہ میں تمہاری محبت کو خوب جانتا ہوں لیکن تمہاری یہ محبت زمانے والے نہیں سمجھ سکتے کیوں کہ ان کی نظر میں اس کی کوئی اہمیت نہیں۔''

''لیکن آپ تو سمجھ سکتے ہیں آپ ہی کوئی حل بتایئے۔''——

''شادی کی تاریخ طے ہوجانے کے بعد اب کوئی راستہ نہیں بچا ہے عافیہ۔ بہتری اسی میں ہے کہ حالات سے سمجھوتہ کرلو۔ کیوں کہ اگر تم نے خودکشی کی تو اس صدمے کو تمہارے ابو برداشت نہیں کر پائیں گے۔ پھر تمہاری امی بھی دل کی مریض ہیں۔ اس طرح اس گھر سے بیک وقت تین جنازے نکلیں گے اور سماج والے ہنسی الگ اڑائیں گے۔ اس لئے مناسب یہی ہے کہ——

''میں خوشی خوشی شادی کرلوں اور وقار کو تڑپتا ہوا چھوڑ دوں۔''

''تو چلی جاؤ وقار کے پاس جیل میں۔ کرلو جا کر جیل میں شادی۔ رہو اس کے ساتھ''—— سفیر کو غصہ آگیا۔ عافیہ نے آج پہلی بار سفیر کا یہ روپ دیکھا تھا—— ''تم سمجھتی ہو تمہارے مرجانے سے سارا معاملہ حل ہوجائے گا——

وقار جیتے جی مرجائے گا۔ ویسے تو ایک ہی غم رہے گا کہ وہ آخر کب تک میرا انتظار کرتی اس نے مجبور ہو کر حامی بھری ہوگی۔ وہ اپنے دل کو سمجھالے گا لیکن خدا کے لئے اسے جیتے جی نہ مارو۔ وہ اگر چھوٹ کر آئے تو اس کا سر ندامت سے نہ جھک جائے کہ میری وجہ کر عافیہ نے خودکشی کرلی۔ وہ خود کو تمہاری موت کا ذمہ دار نہ سمجھے۔ اسے فخر سے اور سر اٹھا کر جینے کا موقع دو۔ ملنا اور بچھڑنا زندگی کا کھیل ہے اور کھیل میں ہر آدمی فاتح نہیں ہوتا، شکست بھی کھاتا ہے لیکن شکست کھایا ہوا کھلاڑی بھی فتح یاب کھلاڑی سے کسی طرح کم خوش نہیں ہوتا کیوں کہ جیتنے کے لئے اس نے بھی جدوجہد کی تھی—— عافیہ تم یہ نہ سمجھو کہ تم ہار گئی ہو۔ تمہاری ہار میں جیت پوشیدہ ہے، ایک ایسی جیت جو کئی زندگیوں کو نہ صرف بچائے گی بلکہ اسے مزید جینے اور کچھ کرنے کا عزم بخشے گی۔''

عافیہ غور سے سفیر کی باتیں سنتی رہی اسے لگا اسے صحیح حل مل گیا ہے۔ سفیر کی ساری باتیں حقیقت پر مبنی تھیں اور وہ آج تک حقیقت سے نظریں چرا رہی تھی۔ بھاگ رہی تھی کہ اس کی ہمت نہیں ہو رہی تھی لیکن سفیر نے اس کے اندر حوصلہ پیدا کردیا تھا کہ وہ حالات کا مقابلہ کر سکے اور مقابلہ کرتے وقت اس کے قدم ڈگمگائے نہیں بلکہ مستحکم رہے——

حالانکہ وہ بجھے دل کے ساتھ سفیر کے گھر سے نکلی تھی مگر اس کے اندر ایک سکون تھا اطمینان تھا اور حوصلہ تھا اور اسی حوصلے میں اسے آگے کی زندگی کا فیصلہ بھی کرنا تھا——

کہ زندگی سب کو راستہ نہیں دیتی۔

راستہ خود بنانا پڑتا ہے——!

○ ○

عرفان مصروف رہ کر دن تو جیسے تیسے گزار دیتا مگر رات اسے بے چین کر دیتی، انتظار کی گھڑیاں کبھی ختم نہ ہوتیں۔ منجولا اکثر رات کے تیسرے پہر ہی گھر میں داخل ہوتی۔ عرفان کو اس کا یہ معمول قطعی پسند نہ تھا مگر وہ بول بھی نہیں سکتا تھا۔ منجولا کو بالکل پروا نہ تھی کہ عرفان اس کے بارے میں کیا رائے رکھتا ہے۔ کیا سوچتا ہے۔ وہ اپنی دنیا میں مگن تھی——'

رات تیزی سے بھاگ رہی تھی اور عرفان ابھی تک جاگ رہا تھا۔ سوچ کے دائرے اسے اپنی گرفت میں لئے ہوئے تھے۔ اور وہ اس سے چھٹکارا پانے کی ہر ممکن کوشش کر رہا تھا مگر ہر بار وہ ناکام ہو جاتا۔ آنکھیں تھک گئی تھیں مگر ان میں نیند نہیں تھی۔ نیند تو منجولا سے شادی کے دو سال بعد ہی غائب سی ہو گئی تھی۔ منجولا اس کی نظر میں ایک بیوی نہ بن پائی تھی۔ یا عرفان اس کی نظر میں اس کا شوہر نہیں بن پایا تھا اور شاید اسی لئے رشتے میں کشیدگی در آئی تھی حالانکہ عرفان اس کشیدگی کو دور کرنے کی اکثر کوشش کرتا مگر ہر بار وہ ناکام ہو جاتا کیوں کہ منجولا اس کا ساتھ نہیں دیتی وہ عرفان کی باتوں کو نہ سمجھ پاتی یا عرفان منجولا کو آج تک نہ سمجھ پایا تھا۔

ایک جھٹکے سے دروازہ کھلنے کے ساتھ ہی عرفان کی سوچ کا دروازہ بند ہو گیا۔ منجولا لڑکھڑاتے قدموں سے داخل ہوئی۔ آج اس نے کچھ زیادہ ہی شراب پی رکھی

تھی۔ اس کے قدم زمین پر ٹھیک سے نہیں پڑ رہے تھے۔

''ڈیر تم ابھی تک جاگ رہے ہو۔ سوئے نہیں''—— منجولا نے لہراتے ہوئے کہا۔

''جس کی بیوی رات کے تیسرے پہر گھر میں داخل ہوگی اس کے شوہر کو نیند کیسے آئے گی۔''

''ڈیر میں نے کئی بار کہا میرا انتظار نہ کیا کرو۔ میں تھوڑا آزاد خیال ہوں۔ کوئی دوست مل جاتا ہے اس کے ساتھ شام کا لطف آجاتا ہے۔ تم کو تو ہوٹل اور کلب سے مطلب نہیں ہے۔''

''میں ایسے فضول شوق میں اپنا وقت اور پیسہ برباد نہیں کرتا۔''

''فضول شوق، عرفان یہ ماڈرن سوسائٹی کا کلچر ہے۔ ورنہ لوگ اسے غیر مہذب سمجھتے ہیں۔''

''ہاں دوسروں کی بیویوں کے ساتھ رنگ رلیاں منانا آج کے سماج کا کلچر ہوسکتا ہے لیکن میں اس کلچر کو نہیں مانتا اور اسے کبھی نہیں اپنا سکتا۔''

''تم اس لئے نہیں اپنا سکتے کیوں کہ تم بہت ہی گھٹیا سماج سے آئے ہو۔ جہاں ہر چیز کی پابندی ہے۔ یہ نہ کرو.......... وہ نہ کرو.......... اس کے کرنے سے گناہ ہوتا ہے.......... اس کے کرنے سے عذاب نازل ہوتا ہے.......... تم دقیانوسی سماج کے پروردہ ہو.......... جہاں ہر طرف ہر جگہ پابندی ہے.......... تم..........

''چٹاخ''..........ایک زوردار طمانچہ منجولا کے گال پر پڑا۔ منجولا کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

''تم نے مجھے مارا''—— منجولا بپھر گئی۔ عرفان کی آنکھیں لال ہو رہی

تھیں۔

''عرفان تم نے مجھ پر ہاتھ اٹھا کر اچھا نہیں کیا۔ اس کے لئے تمہیں زندگی بھر پچھتانا پڑے گا —— منجولا روتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف دوڑ گئی۔ شاید وہ گھر کو تماشا نہیں بنانا چاہتی تھی وہ چاہتی تو عرفان کا جواب دے سکتی تھی لیکن خاموش رہی۔ اس کی یہ خاموشی کسی طوفان کا پیش خیمہ تھی۔

عرفان کو بعد میں ندامت ہوئی کہ اس کا ہاتھ کیسے اٹھ گیا۔ وہ تو تمام باتوں کو سہنے کا عادی ہو گیا تھا لیکن اس وقت اس کے دل و دماغ کا ریشہ ریشہ کپکپا اٹھا تھا۔ وہ بے قابو ہو گیا تھا۔ توازن برقرار نہ رکھ سکا اور اس کا ہاتھ اٹھ گیا۔ عرفان کو پتہ تھا کہ اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا —— اس وقت منجولا کے خاموش رہ جانے پر اسے سخت حیرت تھی۔ وہ ساری رات کرب و اضطراب میں گزاری ——'

زوردار گرم ہوا کا پتھریلا جھونکا اٹھتا ہے اور سخت جاں بگولے کی صورت آس پاس کی تمام اشیا کو نچاتا دوڑاتا دور تک نکل جاتا ہے۔ جس کے باعث آس پاس کی ساری چیزیں ذرا دیر کے لئے تھرا جاتی ہیں۔ باہر ایک دم گرم بگولے چکر کاٹ رہے ہیں اور اندر عرفان بیٹھا اپنی زندگی کی گتھی سلجھانے میں مصروف ہے۔ وہ جتنا اسے سلجھانے کی کوشش کرتا ہے مزید الجھتا جاتا ہے۔

کرب میں لپٹی عرفان کی زندگی ——'

اسے اندر تک برچھی کی انی کی طرح چھیدتی ہے۔ وہ لرزتا ہے۔ مگر اس کے درد کو شدت سے محسوس کر کے اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ ستم رسیدہ عرفان کی آنکھوں میں تیرتی ہوئی اُداسیاں، بجھی بجھی سی کیفیت، دکھ درد اور افسردہ احساسات کے نازک موڑ پر ٹھہری ہوئی نظر آتی ہیں۔

وہ ہار رہا تھا یا اسے شکست دینے کے لئے ہر ممکن کوشش کی جا رہی تھی۔

—— رفتہ رفتہ دوردرشن سے اسے پروگرام ملنے بند ہو گئے بلکہ پرائیویٹ چینل نے بھی نظریں پھیر لی تھیں۔ اگر کام کی کمی ہوتی تو کوئی بات نہ تھی لیکن منجولا کو اسی رفتار سے کام مل رہا تھا بلکہ اس سے زیادہ —— اور اس نے عرفان سے بے اعتنائی برت لی تھی۔ اپنا پروڈکشن خود دیکھ رہی تھی۔ اس نے اپنے کسی بھی کام میں عرفان کو شامل نہیں کیا تھا۔ جہاں عرفان اس کی اس حرکت پر افسوس کر رہا تھا۔ وہیں اسے اپنے مستقبل کی فکر تھی۔ اگر اس طرح کام بند ہوتے گئے تو وہ ایک دن سڑک پر آ جائے گا۔ پھر اس کے بچے کا مستقبل بالکل تاریک ہو جائے گا۔

بچے کو بورڈنگ میں نہ ڈالنے کی اسے سزا مل رہی تھی یا منجولا کی ہاں میں ہاں نہ ملانے کا کفارہ ادا کرنا پڑ رہا تھا۔ پروگرام بند ہو گئے۔ وہ چاہتی تھی کہ عرفان سڑک پر آ جائے تب اسے منجولا کی اہمیت کا اندازہ ہوگا اور پھر وہ اس کا دست نگر بن کر رہ جائے گا۔ کیوں کہ اس کے علاوہ اسکے پاس کوئی راستہ نہیں ہوگا۔

دونوں ایک ہی چھت کے نیچے رہ کر بھی اجنبی بن گئے تھے۔ منجولا کتنی بے رحم ہو گئی تھی یا حالات نے اسے اتنا سخت بنا دیا تھا کہ وہ عرفان سے بات بھی نہ کرتی۔ اس کا اثر سب سے زیادہ بنٹی پر پڑ رہا تھا۔ وہ سمجھنے سے قاصر تھا کہ غلطی ممی کی ہے یا پاپا کی —— عرفان وقت کے حصار میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔ منجولا اس سے اس طرح بھی بدلہ لے سکتی ہے، اس نے سوچا بھی نہ تھا۔ وہ تھپڑ کے بدلے تھپڑ مار سکتی تھی۔ گالی دے سکتی تھی۔ لفظوں کے تیر چلا سکتی تھی —— کیا اسے ایک پل کے لئے بھی میری محبت یاد نہ آئی۔ بنٹی کا خیال نہ آیا۔ اتنے سال گزارے ہوئے لمحات بھی اسے ایسا کرنے سے نہ روک سکے۔ مانا وہ ضدی ہے۔ اڑیل ہے۔ لیکن اس حد تک کہ کسی کی روزی روٹی بھی چھیننے پر آمادہ ہو جائے۔

اس نے بڑا سوچا سمجھا قدم اٹھایا تھا۔

ایک تیر سے دو نشانے!

اس طرح عرفان کو بھی اپنی اوقات کا پتہ چل جائے گا اور بنٹی پر بھی اس کی حکومت قائم ہو جائے گی۔ پیسہ ہی تو دنیا میں سب کچھ ہے۔ اگر وہی نہیں رہے گا تو عرفان کی قیمت کوڑی کے برابر ہو جائے گی—— اس کا بڑا رسوخ تھا۔ پارٹی میں اس کی بڑی اہمیت تھی۔ لگ بھگ سبھی منتریوں کے یہاں اس کا آنا جانا تھا۔ ممکن ہے اگلی بار اسے راجیہ سبھا کا ممبر بھی بنا دیا جائے۔ اور عرفان کے ساتھ جو کچھ ہوا ہے منجولا کے کہنے پر ہی ہوا ہے۔

عرفان کو بڑا دکھ تھا——'

وہ خود کو بے یار و مددگار تصور کر رہا تھا۔

احمر اور وندنا نے بھی اس کا ساتھ چھوڑ دیا تھا۔

وندنا نے کہا تھا۔

''وہ منجولا سے معافی مانگ لے تو سارے شکوے گلے دور ہو جائیں۔''

عرفان نے ایک ٹھنڈی آہ بھری اور آسمان کی طرف اپنی نظریں اٹھائیں——

آسمان کتنا بے رحم ہو گیا تھا—— منجولا کا سہارا چھنتا نظر آ رہا تھا۔

کیا منجولا ہمیشہ کے لئے اس کا ساتھ چھوڑ دے گی؟

اس کی آنکھیں بھیگ جاتی ہیں۔

وہ رونا چاہتا ہے۔

مگر آنسو آنکھوں سے باہر نہیں آتے۔ اندر ہی جذب ہو کر رہ جاتے ہیں۔

اس کا گھر سائیں سائیں کر رہا تھا۔ کوئی آواز کوئی ہلچل نہیں۔ طویل خاموشی بچھ گئی تھی۔ اسکے گھر میں اندھیرا گھس آیا تھا۔ اندھیرا تو پہلے بھی تھا لیکن اتنا بھیانک اور ہیبت ناک کہ آدمی ڈر جائے——'

وہ خوف کے مارے کسی کو آواز دینا چاہتا ہے مگر آواز اس کے حلق میں دب کر رہ جاتی ہے۔

تبھی دروازے پر دستک ہوتی ہے۔

بجھے من سے عرفان اٹھتا ہے اور دروازہ کھول دیتا ہے سامنے منجولا کھڑی تھی۔ وہ دروازے سے ہٹ جاتا ہے۔ منجولا اندر آ کر ایک منٹ کے لئے رکتی ہے پھر بڑھ جاتی ہے۔ عرفان دھیرے سے کہتا ہے——

''منجولا......!''

وہ رک جاتی ہے۔

''میں اپنی شکست تسلیم کرتا ہوں۔ تم جیت گئی منجولا جیت گئی——

کرب میں لپٹی آواز اس کے حلق سے نکلتی ہے۔ منجولا مسکرا کر عرفان کی طرف دیکھتی ہے اور زلفوں کو لہراتی ہوئی اپنے کمرے کی طرف بڑھ جاتی ہے۔

○○

عافیہ کا گھر برقی قمقموں سے جگمگا رہا تھا۔ پورے ماحول میں موسیقی گھلی ہوئی تھی۔ چاروں طرف رنگ بکھرا ہوا تھا۔ گوشے گوشے میں خوشبو پھیلی ہوئی تھی۔ سر شار کر دینے والی خوشبو، جس سے آدمی بدمست ہو اٹھے۔

زرق برق لباس زیب تن کئے لڑکیاں اٹھلا رہی تھیں۔ مگر عافیہ اپنی قسمت پر آنسو بہا رہی تھی۔ اس کی آنکھوں سے ساون جھما جھم برس رہا تھا۔ وہ چاہتی تھی کہ بھاگ جائے، مگر کہاں؟——

وقار تو کب کا اس کی دنیا سے بہت دور چلا گیا ہے۔ اس کے گھر والوں نے وقار کی طرف سے بہت پہلے ہی بے اعتنائی برتی تھی۔ عافیہ کے کہنے پر کچھ دن ساتھ دیا۔ کوششیں کیں لیکن جلد ہی خاموشی بھی اختیار کر لی۔ سفیر اور زرنجن کمار نے بے حد کوشش کی اور آج بھی جد و جہد میں مصروف تھے لیکن کوئی نتیجہ نکل کر سامنے نہیں آیا تھا۔

عافیہ کے گھر والوں نے بہت جلد اپنی نظریں بدل لی تھیں اور شاید اسی لئے عافیہ کا رشتہ طے کرنے میں جلد بازی سے کام لیا۔ ورنہ کچھ دن مزید انتظار کیا جاسکتا تھا۔ صرف رشتہ ہی طے نہیں کیا بلکہ تاریخ بھی طے کر دی اور آج عافیہ کا نکاح ہونے والا تھا——'

بارات کی تیاری زوروں پر تھی۔ ہر شخص اپنے کام میں مصروف تھا۔ مگر عافیہ فقط روئے جا رہی تھی۔ اس کی سہیلیاں اسے سمجھانے کی ہر ممکن کوشش کر رہی تھیں لیکن آنسو تھمنے کا نام ہی نہیں لے رہا تھا——

چند گھنٹوں میں وہ دوسرے کی ہو جائے گی۔

جسے وہ نہیں جانتی۔

جسے کبھی دیکھا نہیں۔

جسے پیار نہیں کیا۔

وہ اس کی ملکیت ہو جائے گی۔

اور وقار——!

جسے دل سے چاہا۔

اتھاہ گہرائی تک محبت کی۔

وہ اجنبی بن جائے گا۔

اس کا دل زور زور سے دھڑکے جا رہا تھا۔

کاش وہ پنچھی ہوتی تو ایک بار وہ وقار سے مل آتی۔ اپنی مجبوری بتا دیتی۔ حوصلہ رکھنے کا مشورہ دیتی۔ لیکن وہ ٹوٹ چکی تھی۔ حالات نے اسے کمزور کر دیا تھا۔ بزدل بنا دیا تھا۔

سفیر اور زرنجن کمار عافیہ کے گھر پہنچے۔ وہ اس شادی میں شریک ہونا نہیں چاہتے تھے لیکن نورالدین کے بار بار اصرار نے انہیں مجبور کر دیا۔

بارات آگئی اور تمام لوگ براتیوں کی خدمت میں لگ گئے۔ نکاح کے بعد سفیر اور زرنجن کمار جیسے ہی شامیانے سے باہر آئے وقار کے ابا نے دونوں کا راستہ روک لیا——

"میرا وقار کب چھوٹے گا؟" —— انہوں نے سیدھا سوال کر دیا۔

"ہم لوگ تو کوشش میں کوئی کمی نہیں کر رہے ہیں" —— سفیر نے جواب دیا۔

"بیٹا مجھے تم لوگوں کی کوشش پر ذرا بھی شک نہیں ہے۔ لیکن میرے بیٹے کی دنیا تو اجڑ گئی۔ اس کا تو سب کچھ ختم ہو کر رہ گیا۔"

"انکل اس میں قصور نہ آپ کا ہے نہ وقار کا نہ عافیہ کا۔ موجودہ سیاسی نظام اور حالات نے سب کو درہم برہم کر دیا ہے۔ کوئی خوشی سے اپنا ایک نیا راستہ چن لیا۔ کوئی مجبوری کے تحت اور کسی کو کسی نے مجبور کر دیا۔ آدمی جس منزل پر پہنچنا چاہتا ہے وہاں نہ پہنچ کر اس منزل کو پہنچ جاتا ہے جہاں وہ پہنچنا نہیں چاہتا۔ موجودہ سیاسی نظام اور حالات ہمارے موافق نہیں ہیں اس لئے ہم کسی منزل کا تعین بھی نہیں کر سکتے اور پہلے سے انتخاب بھی نہیں کر سکتے۔ ہم لوگوں نے پہلے ہی کہا ہے کہ وقار کو چھڑانے کی ہر ممکن کوشش کی جائے گی اور وہ ہم کر رہے ہیں۔" —— سفیر کے دل میں جو آگ تھی آج وہ باہر آ گئی تھی۔

"بیٹا بڑھاپے کا سہارا تو چھن گیا نا؟" —— وہ رو پڑے

"انکل! آپ حوصلہ رکھیں ہم لوگ کوئی نہ کوئی راستہ ضرور نکالیں گے" —— نرنجن کمار نے انہیں ڈھارس بندھائی۔

"میں لاچار مجبور باپ کچھ نہیں کر سکا۔ اس کی خوشیوں کا جنازہ نکل گیا اور میں محو تماشا بنا رہا۔ خدا نے مجھے کس امتحان میں مبتلا کر کے چھوڑا ہے۔ میرے حصے میں ابھی اور کتنا امتحان باقی ہے۔ بتا دے میرے مولا .... بتا دے میرے پروردگار .... بتا دے ...."

—— وہ زار و قطار رو پڑے۔ سفیر ان کو سہارا دے کر شامیانے کے اندر

لے آیا۔ ایک دو رشتے داروں نے انہیں روتا دیکھ کر پاس آ گئے اور انہیں ڈھارس بندھانے لگے۔ سفیر اور نرنجن کمار کا بھی دل اندر سے رو رہا تھا۔ اس لئے وہاں رکنا مناسب نہیں سمجھا اور فوراً نکل گئے۔

○○

آج کا دن کبوتر کی طرح سفید تھا۔ دھوپ اپنے پروں کو پھیلائے ہوئی تھی۔ اس دھوپ میں ہر شے بہت واضح اور صاف معلوم ہو رہی تھی۔

سفیر جیسے ہی گھر سے نکلا سامنے سے زنجن کمار آ گئے۔

''کہاں جا رہے ہو کامریڈ؟''

''وقار کے پاس۔''

''کوئی خاص بات ہے؟''

''کچھ دیر قبل سی۔ آئی۔ ڈی کا انسپکٹر آیا تھا۔ انسانی حقوق کمیشن نے پھر سے وقار کے کیس کی جانچ کروانے کی سفارش کی ہے۔ اسی کے سلسلے میں معلومات کرنے آیا تھا۔ میں نے تمام باتیں تفصیل سے بتا دی ہیں۔ وقار کو بھی چل کر بتا دیں کہ اگر کوئی تمہارے پاس آئے تو تم تمام باتیں تفصیل سے بتا دینا۔ اب لگتا ہے وقار کی ضمانت ہو جائے گی۔''——

''کہنا مشکل ہے۔ دوبارہ انکوائری کتنی ایمانداری سے ہوتی ہے، یہ اس پر منحصر کرتا ہے۔''—— زنجن کمار نے اپنا تجربہ ظاہر کیا۔

''پھر بھی وقار سے مل لیتے ہیں۔ بہت دن سے نہیں گیا۔''

''میں بھی چلتا ہوں۔''

''چلئے——!''

دونوں جب جیل پہنچے وقار بہت آہستہ آہستہ چل کر ان کے قریب آیا۔ ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور نظریں نیچی کر لیں۔

''وقار کیا بات ہے؟ اس سے پہلے تم کبھی اس طرح نہیں ملنے آئے؟''—— سفیر نے جاننا چاہا۔

''پھر کوئی تسلی دینے آئے ہو گے؟''—— وقار نے سپاٹ سا سوال کیا۔

''وقار تم حوصلہ کھو رہے ہو''—— زنجن کمار بولے۔

''ہاں ہاں حوصلہ کھو رہا ہوں۔ اب مجھے تم لوگوں کی جھوٹی تسلیاں نہیں چاہئے۔ میں جانتا ہوں اب میں کبھی رہا نہ ہو پاؤں گا۔ اسی کال کوٹھری میں ایک دن میری موت ہو جائے گی۔ فنا ہو جاؤں گا میں.......... وقار کا وجود اسی چہار دیواری میں ختم ہو جائے گا.......... ہاہاہا.......... میں جانتا ہوں تم لوگ کیوں آئے ہو.......... خوب جانتا ہوں۔ تم لوگ یہ دیکھنے آئے ہو کہ عافیہ کی شادی کے بعد میرا کیا ردِ عمل ہے.......... ہاہاہا.......... کل عافیہ کا نکاح ہو گیا.......... ہو گیا نا سفیر؟.......... وہ چلی گئی دوسری کی بانہوں کی زینت بننے۔ اور میری بانہیں خالی رہ گئیں۔ میں مجرم.......... خونی.......... قاتل.......... دیس دروہی.......... مجھ سے کون شادی کرے گا؟.......... کون انتظار کرے گا؟.......... اچھا ہوا شادی کر لی۔ نہیں تو بیچاری بیوہ بن کر رہ جاتی''.......... وقار رونے لگا اور روتے روتے اچانک چیخ پڑا.......... ''جاؤ تم لوگ جشن مناؤ میری بربادی کا۔ ساری دنیا کو کہہ دو کہ وقار کی بربادی کا جشن منائے کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا ہے برباد ہو گیا ہے۔ جاؤ اور آج کے بعد کبھی مجھ سے ملنے نہ آنا کہ وقار مر گیا ہے۔ ہاہاہا.......... ہاہاہا.......... میں مر گیا.......... ہمیشہ کے لئے مر گیا.......... میں زندہ کب تھا؟.......... کب تھا زندہ.......... جاؤ میرے جنازے کی تیاری کرو.......... کچھ

دونوں جب جیل پہنچے وقار بہت آہستہ آہستہ چل کر ان کے قریب آیا۔ ایک اچٹتی سی نگاہ ڈالی اور نظریں نیچی کر لیں۔

''وقار کیا بات ہے؟ اس سے پہلے تم کبھی اس طرح نہیں ملنے آئے؟''— سفیر نے جاننا چاہا۔

''پھر کوئی تسلی دینے آئے ہوگے؟''— وقار نے سپاٹ سا سوال کیا۔

''وقار تم حوصلہ کھو رہے ہو''— نرنجن کمار بولے۔

''ہاں ہاں حوصلہ کھو رہا ہوں۔ اب مجھے تم لوگوں کی جھوٹی تسلیاں نہیں چاہئے۔ میں جانتا ہوں اب میں کبھی رہا نہ ہو پاؤں گا۔ اسی کال کوٹھری میں ایک دن میری موت ہو جائے گی۔ فنا ہو جاؤں گا میں........ وقار کا وجود اسی چہار دیواری میں ختم ہو جائے گا........ ہاہاہا........ میں جانتا ہوں تم لوگ کیوں آئے ہو........ خوب جانتا ہوں۔ تم لوگ یہ دیکھنے آئے ہو کہ عافیہ کی شادی کے بعد میرا کیا ردِ عمل ہے........ ہاہاہا........ کل عافیہ کا نکاح ہو گیا........ ہو گیا نا سفیر؟........ وہ چلی گئی دوسری کی بانہوں کی زینت بننے۔ اور میری بانہیں خالی رہ گئیں۔ میں مجرم........ خونی........ قاتل........ دیس دروہی........ مجھ سے کون شادی کرے گا؟........ کون انتظار کرے گا؟........ اچھا ہوا شادی کر لی۔ نہیں تو بیچاری بیوہ بن کر رہ جاتی''........ وقار رونے لگا اور روتے روتے اچانک چیخ پڑا........ ''جاؤ تم لوگ جشن مناؤ میری بربادی کا۔ ساری دنیا کو کہہ دو کہ وقار کی بربادی کا جشن منائے کہ اس کا سب کچھ لٹ گیا ہے برباد ہو گیا ہے۔ جاؤ اور آج کے بعد کبھی مجھ سے ملنے نہ آنا کہ وقار مر گیا ہے۔ ہاہاہا........ ہاہاہا........ میں مر گیا........ ہمیشہ کے لئے مر گیا........ میں زندہ کب تھا؟........ کب تھا زندہ........ جاؤ میرے جنازے کی تیاری کرو........ کچھ

ہی دیر میں میری لاش تم لوگوں کو مل جائے گی........ ہاہاہا........ لاش........ وقار کی لاش........ کون وقار؟........ اے بھائی وقار کو جانتے ہو........ نہیں جانتے........ میں بھی نہیں جانتا........ ہاہاہا........ وقار........ اے سنو نا........ کون مارا اُسے؟........ بے چارہ اچھا آدمی تھا........ ناحق مارا گیا........ کب اس کا جنازہ نکلے گا........ سنو مجھے بھی خبر کرنا........ میں بھی اس کو کاندھا دوں گا........ وقار مر گیا........ ہاہاہا........ ہاہاہا........ وقار مر گیا........

وہ ہنستا ہوا اپنے بیرک کی طرف بڑھ گیا۔ سفیر اور نرنجن اس ''وحشی'' کو جاتے ہوئے دیکھتے رہے۔ جب وہ نظروں سے اوجھل ہو گیا تو سفیر نے نرنجن کمار کی طرف دیکھا اور نرنجن کمار نے جیل کی چھت پر لہراتے ترنگے کو—!

○○